ڈرامہ اکبر

آزاد

ڈرامہ اکبر

یعنی

جلال الدین محمد اکبر شہنشاہ ہند کے نور نظر جہانگیر و نور جہاں کے عشقیہ قصہ
کو سب سے پہلے ڈرامہ اردو کا لباس پہنا کر پیش کیا جاتا ہے

از

رشک شیکسپیر و ملٹن جناب شمس العلماء
مولینا محمد حسین صاحب آزاد مرحوم

حسب فرمائش
جناب آغا محمد طاہر صاحب
نبیرۂ حضرت آزاد

[illegible] پریس لاہور [illegible]

قیمت مجلد مطلا ([illegible])



زبانِ اردو کی عمر کی طرف خیال کرو تو حیرت ہوتی ہے
کہ یہ کیا تھی۔ کیا ہوگئی۔ کل کی بات ہے کہ اس میں کچھ نہ تھا
مگر آج سب کچھ ہے اور جس تیزی کے ساتھ یہ ترقی کے
رستوں پر بڑھ رہی ہے امید بندھتی ہے کہ ایک نہ ایک دن
یہ بیل ضرور منڈھے چڑھ کر رہے گی۔ اس وقت کون سی شے
ہے جو اس میں نہیں اور کون سا پھول ہے جو یہ نہیں کھلاتی
مگر یہ تمام خوبیاں کسی زبان میں ایک ساتھ نہیں آیا کرتیں! دل
دل جڑ ٹہنیوں سے مل کر یہ رستے بنے ہیں اگر آج ان پر چل کر

نظر ڈالیں تو تعجب آتا ہے کہ او ہو ہم پیدل تھے۔ کس قدر جلدی سوار ہو گئے۔

اسی طرح اردو میں ڈرامہ لکھنا آج کچھ بڑی بات نہیں۔ جس نے چند انگریزی اردو کی کتابیں پڑھی ہوں کچھ ناول دیکھے ہوں تھیئیٹروں کی زیارت سے مشرف ہوا ہو۔ کہیں دل دیا ہو کہیں لیا ہو۔ اچھا خاصہ ڈرامہ ٹسٹ ہو سکتا ہے۔ مگر تعجب اور آفرین ہے اُس حالت پر جبکہ انشا پردازی کے درخت میں یہ شاخ بالکل نہ تھی۔ نہ کبھی کسی کو اس کا خیال تھا۔ ایسی حالت میں زمینِ سخن میں نئی قلم لگانا۔ پھر شاخ و برگ کا نکلنا۔ گُل پھول کا کھلنا دراصل ایک بڑی بات ہے۔

اول اول میاں باوا کے دل میں یہ خیال آیا تو انہوں نے اپنے شاگردوں سے شکسپیئر کے انگریزی ڈرامہ سننے شروع کئے۔ اُن کے مضامین کو سمجھا۔ اُن کے مطالب پر اُردو میں

پھیلاؤ پھیلائے۔ بلکہ ایک دفعہ پرنسپل صاحب گورنمنٹ کالج کی فرمایش سے میکبتھ کا اُردو ترجمہ بھی شروع کیا۔ جس کا ابتدائی حصّہ اس زمانہ کے رومن اخبار میں نکلا۔ شاید یہ ڈرامہ پورا ترجمہ کرلیا ہو۔ مگر جو مجھے اس وقت تک اس کا ابتدائی حِصّہ ہاتھ آیا ہے وہ بھی خوب ہے۔ اس چھوٹے سے ٹکڑے سے طبیعت کی پہنچ اور مذاقِ سلیم کا ذوق معلوم ہوتا ہے۔ لیکن قیاس کہتا ہے کہ اُس ڈرامہ کے ترجمہ سے آن کی اپنی طبیعت کچھ خوش نہیں ہوئی۔ کیونکہ شکسپیئر کے ڈرامہ ایک غیر ملک کے واقع ہیں ہم لوگ ان میں دل لگائیں بھی تو کس قدر۔ جب تک کہ انکے تمدن تعلیم اِخلاق معیارِ تعشق کو اپنے میں جذب نہ کرلیں۔ ان کا پورا لُطف اُٹھانا ناممکن سا ہے۔

اسی وجہ سے مولینا نے فوراً جہانگیر اور نور جہاں کا ڈرامہ لکھنا شروع کردیا۔ کیونکہ ہندوستان بھر میں خاص مشہور عشقیہ قصول

میں سے ضرور یہ ایک ہو سکتا ہے۔ یہ تمام واقع ۱۸۸۵ء کے قریب کا ہے۔ اس عرصہ میں تھوڑا سا حصّہ تیار ہوا کہ دیوانگی نے قلم چھین لیا۔ اس کے بعد عرصہ تک کسی کو خبر بھی نہ ہوئی کہ ۱۹۰۶ء میں مکرم و معظم شیخ عبدالقادر صاحب نے یہ مختصر سا حصّہ مخزن میں چھپوا کر طبیعتوں کو بے چین کر دیا۔ اور ہر طرف سے تعجب اور افسوس کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اس کے سوائے ہو بھی کیا سکتا تھا۔

اب اتفاقاً مجھے مولینا کے دست مبارک کا لکھا ہوا ایک پرانا سا کاغذ ملا جس پر اُنہوں نے آیندہ ڈرامہ کے لئے ایکٹ لکھے تھے۔ وہ کاغذ میں نے اپنے بزرگ و محترم جناب حکیم سید ناصر نذیر صاحب فراقؔ دہلوی کی خدمت میں روانہ کر دیا کیونکہ میرا ذاتی خیال ہے خواہ تمام اُردو دان اس پر متفق نہ ہوں کہ آج ہندوستان میں سلیس اور دردانگیز اُردو لکھنے والا

ان کے سوائے کوئی نہیں۔اس پر مولینا آزاد کی شاگردی کا طُرّہ ان کے لئے سند اور قبالہ ہے۔جہاں بات کی گنجایش ہی نہیں۔

غرض کہ میر صاحب نے حقِ شاگردی ادا کیا اور خوب ادا کیا۔نہایت محنت اور احسان فرما کر اپنے اُستاد کی نایاب بنیادوں پر ایک مستحکم عمارت چُن دی۔جس کا شکریہ جبتک یہ ڈرامہ قائم ہے ہوتا رہے گا۔اب رہا یہ سوال کہ پیوند کیسا رہا تو آج ڈرامہ لکھنے والے بہت۔مگر ادب اور مذاقِ زبان دانی سے نابلد۔حضرتِ آزاد کی تصنیف کا درد کسے۔ان تمام باتوں پر غور کرتے ہوئے یہ ہی غنیمت معلوم ہوگا۔خواہ لوگ زربفت میں ٹاٹ ہی کیوں نہ کہیں۔اور سب سے زیادہ احسان میر صاحب کا یہ ہے کہ اُنھوں نے اپنے اُستاد کی ایک نامکمل بہت جلد مٹ جانے والی۔تھوڑے عرصہ میں بھول جانے والی

تصنیف کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کیسا محفوظ کر دیا۔ ورنہ وہ کبھی کا
ناپید ہو چکا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ میر صاحب کا تاریخی مذاق
قابل داد ہے۔ اگرچہ بعض جگہ ان کا اپنا اصلی رنگ جو تاریخی قصوں
میں ہندوستان بھر میں ان کا خاص حصہ ہے۔ جھلک مارنے
لگتا ہے۔ اور ڈرامہ کا نقشہ ذرا پھیکا پڑ جاتا ہے۔ مگر یہ تمام
خوبیاں اب مولینا کے ڈرامہ کی بقا اور میر صاحب کی تعریف
کے ساتھ زندہ رہیں گی اور حق شاگردی پر سند ہو کر چمکیں گی۔

دُعا کا محتاج

طاہر نبیرۂ آزاد

۲ نومبر ۲۲ء



پہلی جھلک

وقت کا فرشتہ ہوں۔ میرے پروں کی قینچی اطلسِ زمانہ
کو کترتی چلی جاتی ہے۔ میری بغل میں انقلابوں کا ذخیرہ ہے۔
ابھی خوشی ابھی ملال۔ ابھی بدر ابھی ہلال۔ ابھی اوج ابھی زوال
ابھی بارش ابھی خشک سال۔ ابھی خزاں ہے ابھی بہار ہے
یہ جنگل ہے یہ گلزار ہے۔ پر اسی سے اس کی بہار ہے یہ نہ ہو
تو وہ بیکار ہے۔ مدت تک خون خرابے شور شرابے ہوئے

اب ذرا اعتدال کا موسم آیا ہے۔ الٰہی تیرا شکر اتفاق کا
شرف اختلاف برطرف۔ آگ پانی کا میل۔ بلکہ پانی آگ پر تیل
مچھلیاں چاہیں تو ہوا میں اُڑیں۔ کبوتر چاہیں تو پانی میں رہیں۔
ہاں ورق اُلٹ جا۔ زمانے پلٹ جا۔ دُوئی ہٹ جا۔ رات
دن ہو جا۔ فتنے سو جا۔ صبا بہار کو بُلا لے۔ بہار پھول کھلا دے
نیساں موتی برسا۔ ہوا! جہاز کنارے لگا۔ سُورج سونا بنا
سخاوتیں ہوں گی۔ جہاز و جنسِ منفعت اُتار و تجارتیں ہوں گی۔
عالمو آؤ خوشخوانیاں کریں۔ ہُنرمندوں کی قدردانیاں کریں
اکبر بادشاہ کلانور میں تخت نشین ہو چکا فرمان جاری ہو گئے۔

(سوار خانخاناں کے ڈیرے پر آیا)

سوار۔ خانخاناں کا خیمہ کدھر ہے۔

پہرہ دار شاہی۔ وہ جہاں سُرخ نشان لہرا رہا ہے۔

خدمتگار۔ خیر باشد۔ کہاں سے؟ بہت ہی گھبرائے نظر

آتے ہو۔

سوار۔ جلدی اطلاع دو۔ دلی سے کمر باندھ کے پھر کھولی نہیں۔

خدمتگار۔ حضور دلی سے سوار آیا ہے۔

خانخانا۔ ابھی ابھی ابھی۔

(سوار داخل ہوا اور آداب بجا لایا)

خانخانا۔ چہرہ روشن ہے اور قدم بڑھا ہوا پڑتا ہے کہ ڈالو بہادر کیا خوشخبری لائے۔

سوار۔ انشاءاللہ۔ انجام خوشخبری سے (خط) ملاحظہ فرمائیں۔

(خانخانا خط لئے اکبر کے پاس آیا)

اکبر۔ خان بابا خیر باشد؟

خانخانا۔ سوار دلی کا چلا ہوا اسی وقت آیا ہے۔ اور خبر لایا ہے کہ ہیمو نے دارالخلافہ لے لیا۔

اکبر۔ اللہ۔ اللہ ہیمو جیسا اب کیا کرنا چاہیئے۔

خانخاناں

در ہمہ کار مشورت باید
کارِ بے مشورت نکو ناید

اکبر۔ بہت مناسب ہے اہلِ مشورت کو بلاؤ۔

(خان اعظم منعم خان خضر خواجہ داخل ہوئے)

خانخاناں۔ اے ارکین مملکت۔ اے اساطین سلطنت
تم سے قائم ہے سلطنت۔ تم سے دائم ہے مملکت۔

ابھی جانبِ شرق سے اک سوار سوارِ سرِ توسنِ اضطرار
یہ دہلی سے آیا ہے لیکر خبر کہ عدلی کا موذی وہ ہیمو دھوسر
لئے ساتھ اک لشکرِ بیشمار کہ تھے جس میں فیلانِ جنگی قطار

بنگالہ سے چلا ایک ہی میدان میں لشکرِ شاہی کو ہٹا دیا۔ اب دہلی
کو جیت بکرماجیت کا لقب لیا ہے اور بڑھا چاہتا ہے۔

کرو مشورت اس میں اور دو صلاح پئے ملک و دولت جو کچھ ہو صلاح

(بدستور بحوع)

خانِ اعظم - ایسے نازک وقت میں کہ جنت مکانی نے ابھی استقلال بھی نہ پایا تھا۔ ان کا مرجانا۔ اس پر بنگال سے دِلّی تک دفعتًہ ہاتھ سے نکل جانا اور پھر مقابلہ پر ایسے دشمن قوی کا آنا نہایت خطر کا مقام ہے۔

خضر خواجہ - پناہ بخدا۔ اگلے پچھلے انقلاب سامنے کھڑے ہیں اس وقت مصلحت تو یہی ہے کہ اطمینان کے ساتھ کابل میں چل بیٹھیں۔ چڑھے سال خاطر خواہ بندوبست کر کے ادھر آئیں۔

خانخاناں - آج کچھ نہ ہوا تو سال آئندہ کیا ہوگا۔ بادشاہ تو لڑکا ہے۔ خواہ بدنامی۔ خواہ نیک نامی جو کچھ ہے تمہارے سر ہے۔ دال خور بنئے کے سامنے سے ہٹ جانا بڑی شرم کی بات ہے۔

خضر خواجہ۔ نہیں اسے ہٹنا نہیں کہتے۔ سال آئندہ کچھ دُور نہیں

خان اعظم۔ نازک وقت ہے۔ حضور کے دادا کا زمانہ دیکھا

شاہ جنت مکان کا عہد دیکھا۔ خدا کی پناہ۔ فلک نے پھر وہی

وقت دکھایا۔

شیخ گدائی۔ اپنے ملکوں میں ایک جگہ بات بگڑی تو دُوسری

جگہ ٹھکانا ملنا بھی آسان ہے اس غیر ملک غیر قوم میں انسان

کیا کرے۔

(اکبر اور خانخانا باہم سرگوشی)

اکبر۔ خان بابا تم کہو۔

خانخانا۔ ناحق ہمت ہارے دیتے ہیں۔ کچھ بگڑا نہیں ناحق

بنی بنائی سلطنت ہاتھ سے دیتے ہیں۔

اکبر۔ تب کرنا کیا چاہیئے۔ مَیں تو کچھ جانتا نہیں۔

خانخانا۔ میری یہ لوگ ماننے کے نہیں۔ مگر دستِ اقبال حضور کا

سر پر ہو تو سب آسان ہے۔

اکبر۔ میں نے کُل اختیار تمہیں دیا۔ تم پھر سلسلہ جنبانی کرو۔ دیکھو میں کیا کہتا ہوں۔

خانخاناں۔ اے ارا کین صاحب تمکین۔ جوہر تیغ تم میں نقش نگین خیال کرو کہ ابھی جن جن کی رفاقت کا تم نے دم بھرا۔ ان اولوالعزموں نے کیسی کیسی تلواریں مار کر یہ ملک لیا۔ اور شہر طہران ایران و توران میں ہمارا تمہارا نام روشن کیا۔ وہ دُنیا سے گئے اور اس گُلِ نوشگفتہ کو تمہارے دامن جاں نثاری میں چھوڑ گئے اگر آج چُپ چُپاتے ہم تم یہاں سے سفید داڑھیوں میں جانیں چھُپا کر نکل گئے تو سلاطین رُوئے زمین یہی کہیں گے کہ بادشاہ تو لڑکا تھا۔ ان بُڈّھوں کو کیا ہوا کہ ایک دُھوسر کے سامنے سے نوک دُم بھاگ گئے۔ خوب باپ دادا کا حق نمک ادا کیا کیا کروں مجھ سے تو مروّت کی آنکھوں میں خاک نہیں ڈالی جاتی۔

خان اعظم۔ نامردی کی تو کچھ بات نہیں۔ سپاہی وُہی ہے جو
موقع دیکھ کر جان پر کھیلے۔ فقط اِتنی بات ہے کہ خصنِ خوارجہ
سالِ آئندہ پر ملتوی رکھتے ہیں۔
خانخاناں۔ اگر مرنا ہے تو اب بھی مرنا۔ برس دن بعد بھی مرنا
البتہ اب دِلّی سے ملک لینا ہے پھر بہت دور سے لینا پڑیگا
اور سُنو صاحب ایک دفعہ مر کر پھر مرنا نہیں۔ برائے خدا اِس
سفید ڈاڑھی پر میرا مُنہ کالا نہ کرواؤ۔ اِتنے دن جیئے تو کیا لیا
بڑھاپے میں برس دن اَور جیؤ گے تو کیا لے لیں گے۔ آگے
جو حضور فرمائیں۔
اکبر۔ خان بابا۔ تمہاری رائے بالکل درست۔ کوئی
جائے خواہ رہے۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ؎

مست کی جام سے گذرتی ہے   یادِ دلآرام سے گذرتی ہے
بوالہوس کی جہانِ فانی میں   درم و دام سے گذرتی ہے

خودغرض کی غرض پرستی میں　　جان خودکام سے گذرتی ہے
دم ولیکن ہوا ہے زیرِ ہے خاک　　مرد کی نام سے گذرتی ہے

جو ہو سو ہو اب یہیں کابل اور یہیں بابل۔ جانا کہاں اور پھر آنا کہاں۔ یا تخت یا تختہ۔

(سب دم بخود)

خانخانا۔ پھر اب کیا حکم ہے ؟

اکبر۔ بس حکم کیا۔ کہو لشکر تیّار ہو۔ ہمت مرداں مددِ خدا۔ ان میں سے کوئی صورت ایسی نہیں نظر آتی کہ جو مجھے چھوڑ کر چلی جائے۔

آغا اقبال خواجہ سرا۔ حضور یہ کس کی تصویر ہے۔

اکبر۔ ہیمو کی۔

آغا اقبال۔ یہ بند بند الگ ؟

خانخانا۔ انشاءاللہ ایسا ہی دیکھیں گے۔

آغا اقبال۔ کوئی سوار ہے کہ کوڑا مارے چلا آتا ہے۔
اکبر۔ لانا ہماری دوربین۔ اُدھو تو نظر قلی ہے۔
نظر قلی۔ حضور فتح مبارک۔
اکبر۔ خان بابا! اسے خوشخبر خاں کا خطاب دینا چاہیئے۔ کہو خوشخبر خاں میدان جنگ کا کیا ڈھنگ ہوا؟
نظر قلی۔ اقبال خداوندی زیاد۔ غنیم نے پانی پت کو پشت پر رکھ کر فوج ڈالی تھی۔ اور اس کے قبضے میں نہر کی نالی تھی۔ سوار پیادے بے ٹھکانے اور ساتھ کئی توپخانے تھے دلی سے لشکر تک رسد کا بھی تانتا لگا تھا غرض سپاہگری کے رو سے کسی بات کی کسر نہ تھی مگر کل کا ذکر ہے کہ رستم ثانی حضور کا سیستانی توپخانہ ہاتھوں پر گھسیٹ لایا غنیم نے اس پر بھی پرواہ کی اسے بڑا گھمنڈ ہاتھیوں کا تھا۔ کہ سارے بنگالہ کے ہاتھی سمیٹ لایا تھا۔ حضور! ایک کجلی بن تھا کہ کالی گھٹا کی طرح کھڑا جھوم رہا تھا۔ غرض کہ ہمارے لشکر میں بھی اگرچہ کئی دن سے بخیالِ شبخون رات

آنکھوں میں کٹتی تھی مگر آج کی رات دونوں طرف برچھی کی انی پر گذری
پچھلے پہر رات تھی جو ہاتھیوں کی ٹاپوں نے کان گنگ کر دیئے اتنے میں
خبردار نے آکر خبر دی کہ ۱۵سو جنگی ہاتھی لوہے میں غرق ہو کر میدان میں
سدِ سکندر ہو گیا۔ دایاں بایاں آگا پیچھا افغانوں کے پیادوں اور
سواروں سے درست کر کے بیچ میں خود ہیمو یراق جنگی سج کر تیر کمان
ہاتھ میں لئے اہوائی نام ہاتھی پر صندوقی ہودہ میں بیٹھے قلب میں قائم
ہو گیا ہے۔ یہ سنکر حضور کا سیستانی شیر جاں نثارانِ دلیر کو لیکر شیر کی طرح
بپھرا ہوا نکلا۔ صبح ہوتے ہوتے ادھر بھی قلعہ فولاد قائم تھا ابھی دمامہ جنگی
پر چوٹ نہ پڑی تھی کر وہ گنیش ہوذیوں کی قطار بادل کی طرح گرجتی
آگے بڑھی اور ہاتھیوں کی ہتھیائی سے آگا ہماری فوج کا پیچھے ہٹا
اتنے میں داہنی طرف سے پٹھانوں نے ایسا سخت حملہ کیا کہ دائیں
کو آلٹ کر بائیں پر دے مارا۔ اور ساتھ ہی قلب میں ہل چل پڑ گئی۔ مگر
واہ رے سیستانی شیر۔ بیرم خانی۔ دلیروں کو ساتھ لیکر ارجن کے بان کا تھا

آگے بڑھا اور دم میں اس کالی گھٹا کے دھوئیں اُڑا دیئے ۔ بہادر خان بائیں کو لشکر غنیم کے قلب پر گرا اور دم میں زیر و زبر کر دیا ۔ یہ حالت دیکھ کر اس کے لشکر میں بھاگڑ پڑ گئی ۔ حضور پھر تو یہ عالم ہوا کہ ہیمو خود ہودہ میں کھڑا ہوا دیوانوں کی طرح ہاتھی دوڑاتا پھرتا تھا اور بھگوڑوں کو بلاتا تھا مگر کوئی سنتا نہ تھا اسی عالم میں یہ غل ہوا کہ اس کی بھینگی آنکھ میں تیر ۔

آغا اقبال ۔ اسے لیجئے وہ بھی حاضر ہو گیا ۔

(ہیمو گرفتار ہو کر آتا ہے)

خانخانا ۔ ہاں سامنے لاؤ ۔ ہیں ۔ تم نے گرفتار کیا ۔

اکبر ۔ سچ کہو کس نے گرفتار کیا ۔

سوار ۔ حضور کسی نے نہیں پکڑا فقط حضور کے اقبال نے پکڑا ہے غلام کو ایک ہاتھی بھاگتا ہوا دکھائی دیا ۔ آوارہ سمجھ کر گھوڑا پیچھے ڈالا اور تیر کمان میں جوڑ کر فیلبان کو آواز دی کہ روک اسے ۔ اس نے گھبرا کر آواز دی کہ ہاتھ روکنا ۔ تمہارا مطلب میرے پاس ہے ۔ غلام

اسی وقت سمجھ گیا اور ادھر روانہ ہوا۔

اکبر۔ فوجدار! تم کہو کہ اس پر تیر کھا کر کیا گذری۔

مہابت۔ جہاں پناہ! جی کی اماں پاؤں تو عرض کروں۔

اکبر۔ کہہ تیری جان تجھے بخشی۔

مہابت۔ مجور نام ہیمو ہے پردل بکرماجیت کا ہی لایا ہے۔ آنکھ میں تیر لگا پر تیور میلا نہ کیا۔ تیر کو ہاتھ سے کھینچ کر گلام کی گود میں پھینک دیا۔ اپنے ہاتھ سے رومال آنکھ پر باندھ کھڑا ہو گیا اور برابر فوج کو آواز دیئے گیا پر مجور کے اقبال سے کون مقابلہ کرے اکھڑ گرنا ہی تھا۔

شیخ گدائی۔ حضور! پہلی فتح ہے حضور ہاتھ لگائیں۔

اکبر۔ اس مردہ پر کیا تلوار ماروں۔

شیخ گدائی۔ حضور! شمشیر اکبری سے اس کا سر جدا ہو تا کہ جہادِ اکبر ہو۔

اکبر۔ پہلی تلوار پڑے اور دست اور پابستہ پر۔

خانخاناں۔ دو زانو کھڑے ہو کر۔ بسم اللہ۔ اللہ اکبر و ھڑ دِلّی اور سر جلد

کابل کو روانہ کرو کہ بالاحصار کے دروازے پر آویزاں ہو۔

دُوسری جھلک

خوش نظر۔ آج مینا بازار لگا ہے۔ چلو دیکھ آئیں۔

خوش گذر۔ کیا ہوگا۔ کیوں ناحق حیران ہوتے ہو۔ بہت سے میلے دیکھ لئے۔

خوش نظر۔ ارے میاں زندگی کا میلہ ہے چلو یک نظرے خوش گذرے لے لو وہ خانہ بدوش بھی آن پہنچے۔ ان سے پوچھو نہ۔ کہیئے صاحب کیا کیا دیکھا۔

خانہ بدوش۔ کیا کہوں۔ کتابوں میں دیکھ دیکھ کر بہشت کا تصور کیا کرتے تھے آج اس بادشاہ نے آنکھوں سے دکھا دیا۔

خوش نظر۔ بھلا پھر اس میں سے کچھ سناؤ تو سہی کہ ہم بھی ایمان لائیں۔

خانہ بدوش۔ کیا کیا کچھ کہوں۔ وہاں کی تو بات بات عجائب ہے
خیر اول مقام کا نقشہ کھینچتا ہوں کہ، چوپڑ کے چوک۔ جن کے چاروں
طرف نہائت وسیع بازار بیچ میں برابر چمن بندی چلی گئی ہے جس کی
کیاریوں میں کشمیر اور کابل کے فرشی پھولوں نے وہ گلکاری کی ہے کہ
قالین ہائے مخمل کو بھی گرد کر دیا ہے۔ اور باغبانوں نے بھی اس ساحری
سے تخم ریزی کی ہے۔ کہ جو جو پھول اُگا ہے۔ گویا قالین کا بیل بوٹا
حاشیہ ترنج بناتا چلا گیا ہے۔ بیچوں بیچ میں ایک سنگ مرمر
کی نہر جس کا آب باریک تہ کی سفیدی سے کہکشاں میں سیماب بہا
رہا ہے اور اُس میں جو جانوران آبی و ہوائی کی تصویریں ہیں اس طرح
تھرا رہی ہیں گویا اب اُڑ کر نکل فوارہ پر جا بیٹھتی ہیں۔
خوش نظر۔ اب آپ فسانہ عجائب کی قصہ خوانی تو موقوف کیجئے
اصل حال سنائیے۔
خانہ بدوش۔ پھر تو مشکل ہے کہ تم کہانی اور قصہ خوانی سمجھتے ہو

اور میں کہتا ہوں کہ اصلیت کا حق شمہ بھی نہیں ادا ہوا۔ خیر اب بازار کی
کیفیت سُنئے کہ دونوں طرف قدآدم بلند چبوتروں پر خیمے اور شامیانے
کھڑے کر کے انہیں بادلے تاش تمامی اطلس فرنگی مخمل کاشانی شال
کشمیری سقرلاط رومی زربفت بنارسی سے سجایا تھا اور بلورالات
سے بقعہ نور بنایا تھا۔ صاحب سلیقہ دُکاندار اپنے اپنے اجناس
لگائے بیٹھے تھے مگر چوک پر پہنچ کر کچھ اور ہی عالم تھا۔ کیونکہ وہاں
عمارات عالیشان تھیں۔ جن میں دو دو تین تین ارکانِ دولت
اپنے اپنے فنوں اور کارخانوں کی زرق برق دکھا رہے تھے پہلے ہی
چوک میں ایک طرف ابوالفضل ایک طرف فیضی بیٹھے تھے، ابوالفضل
کے گرد الماریوں میں کتابیں چُنی تھیں علما فضلا اور بہت سے سخن فہم
گرد بیٹھے تھے اور وہ خود آئینِ اکبری سُنا رہا تھا فیضی کے ہاتھ
میں نل دمن تھی کہتے ہیں قصیدہ بہشت کا بہت خوب کہا ہے جب
جہاں پناہ آئیں گے تو سُنائے گا۔ اس کے پاس بھی بڑا مجمع تھا

کچھ سنائی تو دیتا نہ تھا مگر واہ وا واہ وا بہت ہو رہی تھی۔

خوش گذر۔ بارے فیضی اپنے کتے وہاں تو نہیں لائے۔

خانہ بدوش۔ ہاں عجیب لطیفہ ہوا تمام بازار میں یہی چرچا ہو رہا تھا کہ عرفی بھی پھرتے ہوئے وہاں آنکلے اور فیضی کے پاس آکر بیٹھے ایک کتا دُم ہلاتا ہوا آیا اور اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ فیضی اُسے بیٹا بیٹا کہہ کر پیار کرنے لگا عرفی نے مسکرا کر کہا کہ ایں صاحبزادہ چہ نام دارد۔ فیضی نے ہنس کر کہا کہ سگ را نام چہ باشد۔ خود عرفی ست۔ عرفی نے کہا کہ مبارک باشد۔

ایک چوک میں امیر فتح اللہ شیرازی بیٹھے تھے کتابیں تو انہوں نے بہت چُنی تھیں مگر آلات ریاضی اور سامان جرثقیل اور اسباب صدو ہیئت ایسا لگایا تھا کہ بطلیموس ہی آکر سمجھے تو سمجھے نہیں تو کچھ معلوم نہیں ہوا۔

خوش نظر۔ اجی بیربر کو دیکھا تھا وہ کس رنگ میں تھے۔

خانہ بدوش ۔ ہاں مزے میں تھے ۔ بہت سے لوگ گرد بیٹھے تھے وہ اپنے اشلوک سنا رہے تھے دور سے کچھ سنائی تو دیتا نہ تھا مگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ جتنے بیٹھے تھے سب ہنس پڑتے تھے حکیم ہمام کو دیکھا عطاری کی دکان خوب سجائی تھی مرصع مرتبان ۔ الماس تراش شیشے قرعنبیق بھبکے اور دوا سازی کے سامان سب موجود تھے ۔ ایک طرف فن جراحی کے اوزار بھی تھے مگر دور سے اچھی طرح دکھائی نہ دیتے تھے لوگوں کا ہجوم بہت تھا ۔

خوش نظر ۔ ٹودرمل کی تو کچھ سناؤ ۔

خانہ بدوش ۔ موٹے موٹے بستے تو بہت دھرے تھے مگر رونق کچھ نہ تھی اپنا ہی کھاتا لگائے بیٹھے تھے اور چند متصدی لکھنے والے بغل میں قلمدان دبائے کھڑے مکھیاں مار رہے تھے ۔

صاحب ! جوبن تو خانخاناں پر تھا ۔ ایک چوک کا چوک قبضہ میں کر لیا تھا ۔ تمام اسلحہ جنگ اور حرب اور ضرب کے سامان ۔ جہاں

جہاں میدان مارے ہیں ان لڑائیوں کے مرقع اس خوبصورتی سے سجائے کہ جو وہاں جا نکلتا تھا ہٹنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ شاہانہ آن بان سے دربار لگائے بیٹھا تھا اُمرا و ارا کین گرد بیٹھے تھے شعرا قصیدے سُنا رہے تھے اور وہ مٹھیاں بھر بھر کے دیتا جاتا اشرفیاں ہی ہونگی ایک طرف باورچی خانہ گرم تھا۔ لوگ کھاتے تھے اور موچھوں پر تاؤ دیتے چلے جاتے تھے۔ ہاں صاحب۔ لوگ کہتے تھے کہ سوا لاکھ روپیہ کا چبوترہ بھی باندھا ہے۔ حضور آئیں گے تو ٹھوکر مار کر لٹائیں گے ارغنون خود بخود پڑا بجتا ہے۔ بیلون کے اُڑنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ صاحب۔ فرنگیوں نے غضب کا طلسمات کر رکھا ہے بیلون کیا ہے ایک جہاز کا جہاز ہے۔ ایک آتشی گیند بنائی ہے کہ زمین پر انگاری کی طرح لوٹتی چلی جاتی ہے اور بجھتی نہیں۔ کہتے تھے کہ رات کو چوگان کھیلیں گے۔ وہیں فرائی ٹون بھی دوڑا دوڑا پھرتا تھا۔ کوکلتاش خان نے بھی دھوم دھام تو اچھی کر رکھی تھی۔ خانخاناں کا

منہ چڑاتا تھا۔ مگر اس کی بات اسی کے ساتھ ہے۔ اس کا اپنا حسن خداداد وہ ہے کہ سارے بازار کو جگمگا رکھا تھا۔ میاں صورت دیکھے سے آنکھوں میں نور آتا تھا۔

خوش نظر۔ میاں خانہ بدوش۔ تم نے خان خاناں کو کیا دیکھا ہے خدا جانے تم ان دنوں میں کہاں ہو گے۔ اسکے حسن کی بہاریں ہم نے ہی لوٹیں ہیں۔

بازارِ حسن

آج باغ میں جوانانِ چمن سر جھکائے کھڑے ہیں۔ موجِ آبِ رواں کی چادر کترتی ہے۔ شبنم نقابیں تیار کرتی ہے۔ نرگس اِدھر نہ دیکھیو سوسن ذرا زبان کو روکیو۔ آج گل و بلبل میں باتیں ہونگی۔ سرو و قمری کی مُلاقاتیں ہونگی۔ اکبر نے مینا بازار سجوایا ہے۔ اور بیگمات کیساتھ

امیروں وزیروں کی بیبیوں کو بُلایا ہے۔ پرندہ پر نہ مارنے پائے
ایک شاہ آئے۔ ایک شہزادہ آئے۔

شہزادہ نشہ میں لڑکھڑاتا۔ بھیڑ بھاڑ سے گھبراتا۔ ایک روش پر
اکیلا جا نکلا۔ سامنے سے دیکھتا ہے کہ ایک نوجوان لڑکی گلاب کا پھول
ہاتھ میں لئے چلی آتی ہے۔ وہ تو اکیلی ہے۔ مگر بادِ نسیم پنکھا جھلتی ہے
گلوں کی سُرخی چہرے پر قربان ہوتی ہے۔ تبسّم پیشِ لب رقص کرتا آتا ہے
جہانگیر۔ (دل میں کہتا ہے)

یہ پھولوں بھری ٹہنی ہے؟ کیسی لہکتی ہے۔ صبا نے بہار کی پشواز
پہنی ہے۔ کیسی جھکتی آتی ہے۔ تارا ہے کسی نے آسمان سے اُتارا ہے
یا پری ہوا سے اُتر پڑی ہے۔ نہیں۔ نہیں۔ کوئی ارمان بھری ہے
ماں باپ کے نازوں کی پلی ہے۔ پر خدا جانے کس باغ کی کلی ہے
کورس۔ ایک نوجوانی دیوانی۔ اس پر شراب ارغوانی۔ شہزادہ
مست مخمور تھا۔ پر اسے دیکھ کر آنکھیں کھُل گئیں۔

جہانگیر۔ (دل میں کہتا ہے) - الامان - الامان حسن۔ اللہ رے تیری شان

کچھ عجب رنگ عجب ڈھنگ ہے، سبحان اللہ

واہ کیا جلوۂ نیرنگ ہے، سبحان اللہ

کیا ترا طرّۂ شب رنگ ہے، سبحان اللہ

کیا ترا چہرۂ گُل رنگ ہے، سبحان اللہ

کچھ بات کروں؟ خدا جانے بولے کہ نہ بولے! ایسا نہ ہو کہ کچھ کہہ بیٹھے

کورس کہتا ہے۔ ہاتھ میں دو کبوتر لئے تھا۔ لڑکی سے کہا۔

جہانگیر۔ بی لڑکی! ذرا ہمارے کبوتر لینا۔ ہم یہ پھول توڑ لیں۔

لڑکی۔ بہت خوب۔

گل چین۔ پل کے پل میں ایک گلدستہ تیار کرکے لایا۔

جہانگیر۔ بی لڑکی۔ لائیے میرے کبوتر۔

لڑکی۔ یہ حاضر ہے۔

جہانگیر۔ ہیں۔ ایک کیا ہوا؟

[illegible] سہمی ہوئی صورت بنا کر بولی)

لڑکی۔ صاحبِ عالم میں کیا کروں۔ وہ تو اُڑ گیا۔

جہانگیر۔ ہیں۔ کیونکر اُڑ گیا؟

لڑکی۔ صاحبِ عالم۔ یُوں اُڑ گیا۔ (پھر سے دوسرا بھی اُڑا دیا)

جہانگیر۔ (دل میں کہتا ہے) کبوتر گئے تو بلا سے۔ بات کرنے کو بہانہ تو ہاتھ آیا۔ کیا بات کروں؟ مَیں تو خود بھولا جاتا ہوں۔

جہانگیر۔ بی لڑکی۔ تمہارا کیا نام ہے؟

لڑکی۔ مہرالنسا۔

جہانگیر۔ نہیں تم تو خورشید عالم ہو۔ وہ کون سی مشرق ہے جہاں سے یہ سورج کی کرن نکلی۔

لڑکی۔ کیا فرمایا۔ صاحبِ عالم؟

جہانگیر۔ (دل میں کہتا ہے) ہائے ابھی لڑکی البیلی۔ لڑکیوں میں بھی نہیں کھیلی ہے۔

جہانگیر۔ تم کس کی بیٹی ہو۔

مہرالنسا۔ ابوالحسن جو حضور کا ناظم بیوتات ہے۔ لونڈی اسکی بیٹی ہے

جہانگیر۔ نہیں۔ نہیں۔ تم جسے چاہو۔ لونڈی بنالو۔ جسے چاہو غلام بنالو۔

مہرالنسا۔ حضور کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔

جہانگیر۔ ہاں۔ ہاں میرے اوسان ٹھکانے نہیں۔ اس کے زہے

طالع جو تمہارا غلام ہو۔

(مہرالنسا خیال کرتی ہے۔ دیکھو جنہیں خدا بڑھاتا ہے وہ اپنے

تئیں ایسا گھٹاتے ہیں) انتہائے سادگی۔

(جہانگیر خیال کرتا ہے۔ خدا کرے ایک دم تو اور ابھی کوئی

نہ آئے۔ اب کیا بات کہوں؟)

جہانگیر۔ مہرالنسا۔ تم کچھ بات نہیں کرتیں؟

مہرالنسا۔ لونڈی کی کیا مجال حضور سے بات کر سکے۔

جہانگیر۔ نہیں۔ میرے ایسے نصیب کہاں کہ تم بات کرو۔ اِس

بھولے پن میں یہ میٹھی میٹھی باتیں کہاں سے سیکھ لیں؟

مہرالنسا۔ حضور جس طرح بزرگوں نے آقاؤں سے باتیں کرنی سکھائیں ہیں۔ اسی طرح عرض کرتی ہوں۔ اب حکم ہو کہ لونڈی رخصت ہو اماں جان راہ دیکھتی ہونگی۔

جہانگیر۔ اچھا۔ کس منہ سے تمہاری بات کو رد کروں۔ مگر کس دل سے کہوں کہ چلی جاؤ۔

کورس۔ یہ اُدھر چلے۔ وہ ادھر چلیں۔ مگر شہزادہ دو قدم چلتا تھا اور پھر کر دیکھتا تھا۔ نور جہاں نے بھی مُڑ کر دیکھا۔ جہانگیر ٹھیر گیا۔

جہانگیر۔ دیکھئے۔ خدا پھر کب ملاتا ہے۔ ہمیں بھول نہ جانا۔

مہرالنسا۔ واہ میری کئی سہیلیاں ہیں پر میں ایک کو نہیں بھولتی اور لونڈی بھلا اپنے آقا کو بھول سکتی ہے۔ حضور کو بھولیں تو رہیں کہاں۔

جہانگیر۔ دل میں رہو۔ جان میں رہو۔ آنکھوں میں رہو۔ مگر مہرالنسا اب حضور حضور نہ رہے۔ اب حضور تم اور تابعدار ہم۔

مہرالنسا۔ صاحب عالم۔ حضور کیسی باتیں کرتے ہیں۔ خانہ زادوں سے
اس طرح نہیں بولا کرتے۔

جہانگیر۔ میں تو نہیں کہتا۔ پر کیا کروں۔ اندر سے خود بخود آواز
چلی آتی ہے۔ لو یہ گلدستہ میری نشانی لو۔ اور تمہیں خدا کے حوالے
کرتا ہوں۔ اِدھر دیکھنا۔ ہمیں بھولنا نہیں۔ لو تمہیں اللہ کی امان۔

مہرالنسا۔ حضور کا بھی اللہ بیلی۔ اللہ نگہبان۔

کورس۔ جس وقت رخصت کی نگاہیں ملیں محبت کا اثر دل و جان
میں برابر دوڑ گیا۔ لڑکی کے پیشِ نظر ایک خونی بجلی چمکی۔ کسی نے
داہنے سے آواز دی "خاوند کا خون ہو گیا"۔ کوئی بائیں سے بولا
بلا سے بادشاہی تو پائی۔ پھر دیکھتی ہے۔ ایک تختِ شاہانہ پر جہانگیر
بادشاہ بنا بیٹھا ہے۔ یہ بادشاہ کی بیگم بنی بیٹھی ہے۔ اور مُہرِ سلطنت
ہاتھ میں۔ عالم میں نور کی چاندنی ہے۔ لڑکی سہم گئی۔ حیران پریشان
کچھ پشیمان کچھ شادمان۔

نورجہاں جب گھر میں گئی۔ تو شہزادے کی ملاقات کی ساری داستان ماں کو سُنائی۔ وہ سُنتے ہی سمجھ گئی۔ مگر دل میں کھٹک گئی۔ بادشاہ بیگم کے پاس کبھی کبھی ملنے کو جایا کرتی تھی۔ اور وہ بھی اس سے بہت محبت کرتی تھی۔ اسی وقت سوار ہو کر محل میں گئی۔ اور جو کچھ بیٹی سے سُنا تھا۔ حرف بحرف سُنایا۔ بیگم نے کہا کہ بی بی۔ تم گھبراؤ نہیں میں اس کے ایسے کان مروڑوں گی کہ یاد کرے۔ بلکہ حضور سے کہکر اس کا پورا علاج کراؤں گی۔

اکبر ۔ بیگم ۔ اقبال

بیگم۔ حضور کے شیخوجی نے تو کام کیا!

اکبر۔ خیر باشد؟

بیگم ۔ مرزا ابوالحسن بیوقات کی بی بی بڑی صاحب سلیقہ اور صاحب عصمت ہے۔ کبھی کبھی میرے پاس آتی ہے۔ اس کے ساتھ

اس کی لڑکی بھی آتی ہے۔ ۱۲-۱۳ برس کی ہوگی۔ حضور نے بھی اسے دیکھا ہوگا!

اکبر۔ ہاں۔ ہاں۔ شاید میں نے بھی اُسے دیکھا ہے۔ سبز رنگ بھولی بھولی باتیں کرتی تھی۔ چونچال لڑکی تھی۔ اب تو وہ بڑی ہوگئی ہوگی

بیگم۔ وُہی۔ وُہی! غرض کل جو مینا بازار لگا تھا تو اس میں وہ بھی آئی تھی۔ شیخوجی کی اور اس کی ایک روش پر کہیں مڈبھیڑ ہوگئی۔ اور اس سے اس طرح کی باتیں کیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی نگاہ اس کی طرف اچھی نہیں۔

اکبر۔ کبھی بچپن میں یہ اور وہ ساتھ کھیلے ہیں؟

بیگم۔ کبھی نہیں۔

اکبر۔ پہلے کبھی اس کی اُس کی بات ہوتے سُنی ہے۔

بیگم۔ نہیں۔

اکبر۔ اس کا نام کیا ہے؟

بیگم ۔ مہرالنسار ۔
اکبر ۔ بلاؤ شیخوجی کو ۔

اقبال خواجہ سرا شیخوجی کو لیکر حاضر ہوا

اکبر ۔ شیخوجی! کل تُم نے مینا بازار میں کسی کو گلدستہ دیا؟
جہانگیر ۔ مہرالنسا کل روش پر چلی جاتی تھی اُس نے مجھے نہائت ادب سے جُھک کر سلام کیا ۔ میرا جی خوش ہوا ہاتھ میں گلدستہ تھا وہی دیدیا ۔
اکبر ۔ کچھ باتیں بھی ہوئی تھیں ۔
جہانگیر ۔ ہاں یہ بھی پوچھا تھا کہ تمہیں یہ باتیں کس نے سکھائیں وہ بولی بزرگوں کی تربیت نے ۔
اکبر ۔ بس اَور تو کچھ نہیں؟
جہانگیر ۔ اَور تو کچھ یاد نہیں ۔
اکبر ۔ اے شیخوجی (اور رو بہ فلک) دیکھئے خدا کو کیا منظور ہے ۔



تیسری جھلک

ایک طرف حسن ابدال کا گلزار ہے۔ قدرتی بہار ہے۔ پھول پُھپُھاتے ہیں۔ سبزے لہلہاتے ہیں۔ قدرتی نہریں۔ آبِ رواں کی لہریں۔ دُوسری طرف اٹک کا کنارہ۔ پہاڑ کا اُتارا۔ دریا کے زور۔ موجوں کے شور۔ بیچ میں دامنِ کوہ ہے۔ اکبری فوجوں کا انبوہ ہے خدائی شان و شکوہ ہے۔ جہانگیر شہزادہ سارے دن شکار کھیلا ہے شام کو تھکا ماندا پھر کر آیا ہے۔

جہانگیر۔ آج تو بدن چُور چُور ہو گیا۔

مصاحب۔ حضور! شہاب کو بلاؤں ہ چپّی کرے۔

جہانگیر۔ بدن کی چپّی سے کیا ہوتا ہے۔ دل تھک گیا ہے جان تھک گئی ہے ایسی تھکن میں نے آج تک نہیں دیکھی۔

مصاحب۔ کہہ تو نہیں سکتا لیکن تھوڑا سا عرقِ انگور نوش فرمائیں

تو ساری کلفتیں ابھی دُور ہو جائیں۔

جہانگیر۔ شراب؟ شراب؟ آج تک تو خدا نے محفوظ رکھا ہے۔

مصاحب۔ حضور چاہیں سو فرمائیں۔ مگر یہ تو وہ شے ہے کہ بہشت کی نعمتوں میں داخل ہے۔ کیا عرض کروں۔ بادشاہ پیئے تو ہفت اقلیم زیرِ قدم ہو جائے۔ وزیر پیئے تو جہان زیرِ قلم ہو جائے۔ بزدل کو دلیر مرد کو جوانمرد بنائے۔ ہمت کو چڑھاتی ہے۔ حوصلہ کو بڑھاتی ہے۔ دل کو بہلاتی ہے۔ بڈّھے کے لئے جوانی ہے۔ جوان کی زندگانی ہے۔ بہادر اسی سے تلوار لڑتا ہے۔ آدمی شیر کو شکار کرتا ہے۔ بے ہمت مُلّا نے مسجدوں میں کیوں پڑے ہیں؟ زاہدوں کے چہرے زرد کیوں پڑے ہیں؟

حضور! دوا کے لئے تو مضائقہ نہیں۔ آج کل حکیم ہمام نے ایک مُرکب نسخہ جہاں پناہ کے لئے لکھوایا ہے۔ اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔

جہانگیر۔ ہاں؟

مصاحب۔ حضور جہاں بانی نے منظور فرمایا تو پھر کیا مضائقہ۔
جہانگیر۔ اچھا سب کا فتوے یہی ہے تو تم ہی جاؤ۔ جلد آؤ۔
مصاحب۔ حضور! عرق حاضر ہے۔
یہ حاضر ہے۔ سبحان اللہ شیشہ کو تو ملاحظہ کیجیے۔ کیا زعفرانی رنگ ہے۔ گُل پر شبنم ہے۔ ساقی کے ہاتھ پر جامِ جم ہے۔ دیکھنے ہی سے آنکھوں میں نور آتا ہے۔ پینے سے دِل کو کیا سرور نہ ہوگا! حضور یہ وہ شے ہے کہ آگ کے لئے ہوا ہو جائے قطرہ میں پڑے تو دریا ہو جائے جان کو روشن کرے۔ دِل کو چمن چمن کو گلشن کرے عقل کو پر لگائے آنکھوں پر عینک چڑھائے۔ پرستان کی سیر دکھلائے۔ پری کو شیشے میں اُتار لائے

ایک جام پیا۔ اور مصاحب کی طرف دیکھا

لبوں پر تبسم۔ مصاحب نے ادب سے سلام کیا

جہانگیر۔ فی الحقیقۃ عجب عالمِ سرور ہے۔ آج تک یہ لطف حاصل نہ ہوا تھا حرام کیونکر ہو گئی۔ گلاب۔ کیوڑہ۔ بید مشک سب عرق ہی ہیں عرقِ انگور

نے کیا گناہ کیا کہ حرام ہو گیا۔

مصاحب ۔ دم مارنے کا مقام نہیں۔ شاعرِ ہندی بھی یہی تعجب کرتا ہے کہ ؎

زاہد شراب پینے سے کافر ہوا میں کیوں
کیا ڈیڑھ چلّو پانی سے ایمان بہ گیا

مُلّانوں کی باتیں ہیں۔ شاعرِ فارس کہتا ہے ؎

مے خور و مے خور کہ نسوی رستگار　　آتشِ دوزخ نکند بر تو کار
گر نشود ایں سخنم باورت　　دست بہ مے تر کن و بر شعلہ دار

جہانگیر ۔ ارے ظالمو ڈرو خدا سے۔ اگر گناہ سے باز نہ رہو تو شرماؤ نہ کہ اس پر ناز کرو اور اِتراؤ۔

مصاحب ۔ حضور! بندے روسیاہ کیا ناز کریں گے۔ کریم الرحیم کی رحمت پر ناز ہے۔ ؎

پی لاکھ بار ساقی کی لاکھ بار توبہ　　اب کر چکا میں توبہ، توبہ ہزار توبہ

جہانگیر۔ چلو بس بہت گفتگو ہو چکی۔ اب مجھے بھی نیند آئی ہے۔ تم
بھی جاکر آرام کرو۔

مصاحب۔

ملک ہے دیں پناہ اور فلک یار ہووے   تو سویا کرے بخت بیدار ہووے
مئے عقل و دانش سے جوں نور خورشید   ترا ساغر عقل سرشار ہووے

چوتھی جھلک

پہلا سین

اکبر۔ ابوالفضل! آج کا روزنامچہ دیکھ لیا؟
ابوالفضل۔ مہابلی۔ دیکھ لیا۔ اقبال شاہنشاہی ہے۔ سب فضلِ الٰہی ہے۔
اکبر۔ شیخ جی کا بھی کوئی خط آیا۔
ابوالفضل۔ مہابلی۔ آج ہی آیا ہے۔

اکبر۔ شیخ جی کیا لکھتے ہیں۔ اور ہمارے شیخو جی کیا کرتے ہیں۔

ابوالفضل۔ شیخو جی شیخ جی کو خاطر میں نہیں لاتے۔ خلوت پسند کرتے ہیں دربار کم کرتے ہیں۔ تمام اہلِ دربار اور دکن کے سردار آتے ہیں بیٹھ بیٹھ کر چلے جاتے ہیں۔

راجہ مان سنگھ۔ غلام بھی سُنتا تو ایسا ہی ہے۔ مگر خدا حضور کو سلامت رکھے۔ شہزادے کے بھی یہی عیش کے دن ہیں۔ جو باتیں ہیں مقتضائے سن ہیں۔

اکبر۔ آخر ہم بھی تو کبھی اس سن میں تھے۔ جب ہمارے سامنے یہ بیباکیاں ہیں تو ہمارے بعد کیا کچھ کریں گے سخت مشکل ہے۔

ابوالفضل۔ مہابلی مشکل تو یہ ہے کہ شراب کی طرف بہت رغبت ہوگئی ہے اور خدا نہ کرے جو کچھ کہ اس کا انجام نظر آتا ہے۔

اکبر۔ ایسی باتوں میں مصاحبوں کی تدبیر کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ ان کو لکھو۔

ابوالفضل۔ مہابلی! انہی خانہ خرابوں کی تو خرابیاں ہیں نادان دوست ہیں

بے مغز پوست ہیں۔ وقت کے یار ہیں۔ انجام کے عیار ہیں۔ عارف روم انہی کے حق میں کہتا ہے ؎

اے برادر دُور باش از یارِ بد یارِ بد بد تر بود از مارِ بد

مارِ بد تنہا ترا بر جاں زند یارِ بد بر دین و بر ایماں زند

اکبر۔ شیخو جی تو شراب پیتا نہ تھا۔ یہ بلا کہاں سے اس کے پیچھے لگ گئی؟

مان سنگھ۔ لوگ حکیم صاحب کی حکمت کہتے ہیں۔ یہ بھی حضور میں حاضر ہیں۔

حکیم ہمام۔ بلا گردان شاہ ؎

مَے کہ بدنام کند اہلِ خرد را غلط است

بلکہ مَے میشود از صحبتِ ناداں بدنام

غلام وقتیکہ تجویز کردہ بود۔ اول گفتہ بود کہ شراب دوا است۔ نہ کہ ہمیں آب و ہمیں غذا۔

مان سنگھ۔ حضور۔ اس کمبخت میں عیب یہی ہے۔ کہ دوا ہو کر رہ

نہیں سکتی۔

اکبر۔ ابوالفضل اچھا شیخو جی کو ہماری طرف سے خط لکھو۔

اور شیخو جی کو تم خط لکھو کہ ان نادان دوستوں کو دفع کرو۔

اکبر۔ تم نے سُنا شیخو جی نے دکن کا بندوبست اچھا کیا۔

حکیم ہمام۔ سب حضور کا اقبال ہے۔ شہزادے کی طبیعت نے کمال صلاحیت کے ساتھ انقلاب کیا۔

اکبر۔ جی چاہتا ہے کہ اب تو شیخو جی کے سر پر سہرا بندھا دیجئے۔

بیربل۔ مہابلی! حضور کا جی چاہا ہے تو ہو ہی جائے گا۔

اکبر۔ ابوالفضل! مناسب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مہارانی ہو جو بادشاہ بیگم بن کر حکمرانی کرے۔

ابوالفضل۔ مہابلی عین مناسب ہے۔ اور چند در چند مصلحتوں سے مناسب ہے۔

اکبر۔ دیوان جی تمہیں یاد ہے جس دن جودھ پور کے حساب کا کاغذ

تم نے پیش کیا تو ہم نے تم سے کہا تھا کہ راجہ اودے سنگھ کے ہاں کا حال دریافت کرو۔ اور ہو سکے تو تصویر منگاؤ۔

ٹوڈرمل ۔ مہابلی غلام نے اسی دن تعمیل کی تھی۔ تصویر حاضر ہے اور حال بھی دریافت کیا تھا۔ صورت۔ سیرت۔ شرم حیا کا طور طریقہ جو رانیوں اور شہزادیوں کو چاہیئے۔ سب خوبیاں موجود ہیں۔

اکبر۔ بیربل! یہ تصویر تو دیکھو۔ اس لڑکی کا قیافہ کیا کہتا ہے؟

بیربل۔ حکیم جی تم دیکھو۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پیشانی میں جو اقبال ستارہ کی طرح چمکتا ہے۔ صاف کہتا ہے کہ تاج کو اس کے خاندان سے باہر نہ جانے دوں گا۔

حکیم ہمام۔ فی الحقیقت عجب نورِ اقبال ہے اور آنکھ میں حیا ہے کہ طبیعت کے تحمل مزاج کی بُردباری سے خبر دیتی ہے۔ چہرے پر رعب وادبِ شاہانہ ہے۔ آیندہ اقبالِ خداوندی سب پر غالب ہے۔

اکبر۔ ابوالفضل! کیا صلاح ہے؟ راجہ پہلو تو نہ بچائے گا؟

ابوالفضل۔ مہابلی کے اقبال نے دلوں میں دلداری کے نہال ایسے پرورش کیے ہیں کہ جو چاہیں وہی پھل لائیں۔ مگر شہزادے کی طبیعت کی طرف سے ذرا خیال ایسا نہ ہو کہ کریں کچھ اور۔ اور ہو جائے کچھ اور۔

ٹوڈرمل۔ حضور! عمر بھی ایک اثر رکھتی ہے۔ خدا حضور کا سایہ سر پر سلامت رکھے۔ آپ ہی سمجھ جائیں گے۔

اکبر۔ آخر ہم ہمیشہ بڈھے ہی تو نہ تھے۔ جب ہم نے گجرات کی یلغار میں ۲۷ منزل کو ۶ دن میں طے کیا تو ہماری کیا عمر تھی۔

خانخاناں۔ حضور کوئی ۳۰-۳۱ برس کی۔

اکبر۔ اللہ اکبر۔ خان خاناں۔ دیکھو! کل کا ذکر معلوم ہوتا ہے۔ یہ تو مجھے خوب یاد ہے کہ حملہ کے وقت نشان تمہارے ہاتھ میں دیا اور تمہیں تیرھواں برس تھا۔ جب ہیمو کا معرکہ مارا ہے تو ہم بھی ۱۳ ہی برس کے تھے۔ مگر یقین جاننا کہ ایسی ایسی باتوں کا کبھی خیال تک بھی نہیں آیا۔

ٹوڈرمل۔ مہابلی! کہاں وہ اور کہاں آپ ع

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

اکبر۔ ابوالفضل! ہمارا جی چاہتا ہے کہ تمہارے ہاتھ میں صندل ہو۔ اور بیربل کے ہاتھ سے اس مبارکبادی کا ٹیکا لگے اور حق یہ ہے کہ تمہاری سربراہی کے بغیر یہ معاملہ رو براہ نہ ہوگا۔

ابوالفضل۔ جو مہابلی کا حکم ہو۔ غلاموں کی عین سعادت ہے۔

اکبر۔ بیربل! دیکھو تو لگن کیا ہے؟

بیربل۔ مہابلی! لگن تو وہ ہے کہ کبھی برسوں ہی کے بعد آتی ہوگی۔

اکبر۔ اچھا تو تم سدھ گنیش اور ابوالفضل بسم کریں۔ آج ہی پاتراب کر جاؤ اور راجہ سے جو گفتگو ہو مجھے مفصل لکھو۔

مہاراجہ۔ دیوان۔

اودے سنگھ۔ راج کاک۔

دیوان۔ راجہ بیربل اور ابوالفضل باغ میں داخل ہو گئے۔

مہاراجہ۔ دیوان جی جاؤ اور لے آؤ۔ پر کچھ مطلب بھی تو پاؤ۔

دیوان۔ بہت خوب۔

دیوان۔ مہاراج وہ حاضر ہیں۔

راجہ۔ اچھا (خلوت میں) کچھ نبض بھی دیکھی؟

دیوان۔ وہ تو کب کھلتے ہیں۔ پر دربار کے پرچہ نویس نے کچھ قربت کا اشارہ کیا تھا۔ شاید وہی ہو۔

مہاراجہ۔ ہری ہری۔ اب تدبیر؟

دیوان۔ مہاراج خود دانا ہیں۔

مہاراج۔ جہاں تک بنے ٹالو نہیں تو (دل میں کہا) سنگ آمد و سخت آمد۔

دیوان۔ ہاں۔ آخر راجہ بھاڑامل نے کیا کیا (خود اکبر کو بیٹی دے ہی دی)

راجہ۔ اچھا۔ اندر لاؤ۔

دیوان۔ بیربل اور ابوالفضل کو لیکر حاضر ہوا۔

بیربل۔ اشیرباد۔

مہاراجہ۔ نمشکار۔

ابوالفضل۔ اقبال بامراد۔ عُمر دراز۔ دولت زیادہ۔

مہاراجہ۔ براجئے۔ براجئے۔

راجہ بیربل۔ حضور کے مزاج؟

مہاراجہ۔ سب ایشور کا فضل ہے۔ تم صاحبوں کے مزاج۔

راجہ بیربل اور ابوالفضل۔ سب مہاراج کی کرپا ہے۔

مہاراجہ۔ کہئے ہمارے مہابلی کا مزاج اچھا ہے؟

ابوالفضل۔ مہاراج! سب فضلِ خدا ہے۔ جہاں آپ جیسے نیک نیّت باصفا رفیق۔ رنج راحت کے شریک ہوں۔ وہاں خدا کا فضل ہی ہوگا۔

راجہ بیربل۔ مہابلی نے بھی بہت اشیرباد فرمائی ہے اور لکھم کشل۔

ابوالفضل۔ مہابلی نے نہایت اشتیاق کے ساتھ مہاراج کا مزاج پوچھا ہے۔ اور ارکانِ دولت کے ساتھ راج پاٹ کی سلامتی کی دُعا فرمائی ہے۔

مہاراجہ۔ سب ایشور کی دیا اور مہابلی کا اقبال ہے۔ ہمارے راج کنور کو مہابلی کے سایہ میں ایشور پروان چڑھائے۔ وہ آج کل کس ملک کے بندوبست میں ہیں۔

راجہ بیربل۔ پورب دیسا میں ہیں۔

دیوان۔ ایشور کی دیا سے جو جو باتیں راجکماروں اور شہزادوں کو چاہئیں سب موجود ہیں۔ ہمت کے بلی۔ ہاتھ کے سخی۔ نیت کے ولی۔

مہاراجہ۔ صورت کیسی موہنی ہے۔ دیکھے سے پیار آتا ہے۔ ہم نے دو دفعہ درشن کئے تھے۔ ایک دفعہ شیر کے شکار میں۔ پھر مہابلی کے سامنے تیر لگا رہے تھے۔

دیوان۔ مہابلی تو ٹھاکر دوارے میں ہیں۔ راج کنور کی تصویر ہر دم سامنے ہے۔

بیربل۔ مہاراج! دل کا درپن دل ہے انہیں بھی آپ کا ذکر کرتے اکثر سُنا ہے۔

ابوالفضل۔ مہابلی کو تو آپ سے بڑی محبت ہے۔ جو بھروسہ آپ کے اخلاص اور محبت پر ہے وہ کسی پر نہیں۔ کیوں راجہ جی؟

بیربل۔ ہاں اُس دن شکار سے پھرتے ہوئے جو آپ کا وکیل سامنے آگیا تو ہنس کر بولے کہ اِن لوگوں نے بزرگوں کا وطن ہم سے چھڑا دیا ورنہ ترکستان کے باغوں کا درخت ہندوستان میں کب ہرا ہوا ہے؟

مہاراجہ۔ سب مہابلی کی دیا ہے۔ ہم سے کیا خدمت ہو سکتی ہے؟

ابوالفضل۔ مہابلی کو بھی معلوم ہے کہ آپ کو شہزادے سے دلی اُلفت ہے بلکہ اُن کی تو آرزو یہ ہے کہ تیموری تاج کو اس طرح سجائیں جس سے راج اور سلطنت کا ایک کاج ہو جائے۔

بیربل۔ ہاں۔ پر ایسی باتیں۔ مہاراج ہی کی خوشی پر چھوڑی ہیں۔ فرماتے تھے کہ اس معاملہ میں اپنی خوشی کو ہم نے ایسا رکھا ہے جیسے بڈھا چاہے جوان ہو جائے۔ سورج چاہے آسمان ہو جائے۔

مہاراجہ۔ ہرے ہرے ہرے۔

دیوان۔ گنوانو! بدھیا ندوانو! اتم سوچ پیوند سے پیوند ہوتا ہے۔ ترک اور راجپوت کا پیوند سو کیا؟

ابوالفضل ۔ مہاراج راجپوت اور ترک کا کیا ذکر ہے ۔ اب تو جو وہ سو آپ ۔ مہابلی کا تو ہر وقت یہی کلام ہے ؎

من و تو نیست میانِ من و تو

ابوالفضل ۔ راجہ جی (بیربل سے) اب کے دسہرے کا جشن یاد ہے؟ جس وقت تم مہابلی کو پوجا کروا کے لائے اور ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھایا نرنکار کا پرکاش نظر آتا تھا ۔

ابوالفضل ۔ (راجہ سے سرگوشی) شہزادوں کے ختنے قطعاً موقوف ۔ فرمایئے مسلمانی کہاں گئی؟

بیربل ۔ مہاراج! جن لوگوں نے دوئی کو دل سے اٹھا دیا ہے وہ تو ایک کو مانتے ہیں ۔ اور ایک کو پہچانتے ہیں ۔ وہی اندھیرے میں ۔ وہی اُجالے میں ۔ وہی گورے ہیں ۔ وہی کالے ہیں ۔ مہابلی کی دیا اور آپ کی کرپا سے آج دین اور دھرم ایک ترازو میں تل رہے ہیں ۔

ابوالفضل ۔ مہاراج! یہ سب لوگوں کی باتیں ہیں ۔ نہیں تو وہی رام

وُہی رحمان۔ نام الگ ہیں۔ انجام ایک ہے۔ دو آنکھیں ہیں نظر کا کام ایک ہے۔ خواہ کھڑک کہیں۔ خواہ تلوار کہیں۔ جوہر وُہی۔ آب وُہی کاٹ وُہی گھاٹ وُہی۔

بیربل۔ مہاراج۔ راجپوت اور ترک کا تو ذکر ہی نہیں۔ اگر ہے تو راج اور تاج کا پیوند ہے۔

دیوان۔ اچھا اگر یہ پیوند اتحاد اور یگانگت بڑھانے کے لئے ہے تو مہابلی ایک نہیں بیسیوں دفعہ دیکھ چکے اور سارا عالم دیکھ چکا کہ مہاراج کو جان مال سے کسی حال میں دریغ نہیں۔ پھر اس بات کی کیا ضرورت۔

ابوالفضل۔ حضور کی یہ خوشی ہے کہ دو دو مٹھاس جدا جدا ہیں۔ شیر و شکر ہو جائیں۔ شیریں ہیں۔ شیریں تر ہو جائیں۔

دیوان۔ اِس اَن میل پیوند سے حاصل کیا؟

ابوالفضل۔ دیوان جی بے حاصل نہ کہو۔ دو درخت جُدا جُدا اُگتے ہیں جُدا پھولتے پھلتے ہیں۔ پر جب دونوں کا پیوند ہوتا ہے۔ تو پھل کے

رنگ رُوپ بُوباس کا اور لذت کا کیا عالم ہوجاتا ہے۔

مہاراجہ۔ دیوانجی! دیکھتے ہو سامنے کون کون ہے۔ ان سے تقریر میں کون جیتے گا۔ اس معاملہ کو پنڈتوں کے بوستے پر چھوڑو۔

(سرگوشی)

ابوالفضل۔ راجہ جی! معرکہ آپ نے مارلیا ہے۔ پر اس وقت کو جانے نہ دینا

ابوالفضل۔ مہاراج! ہمارے دھرم مُورت راجہ جی کچھ کم ہیں؟

مہاراجہ۔ ہرے ہرے۔ مالا کے دانے دیکھ لو سب برابر ہیں فرمائیے

دھرم مُورت۔ پرچو کہئے شاستر سے کہئے۔

بیربل۔ مہاراج! آپ کا دھرم شاستر راج مت۔ اس کا بوستھا یہی کہ جو مہابلی کی خوشی۔

ابوالفضل۔ بس راجہ جی۔ آگے کہنے کی کچھ حاجت نہیں۔ شبھ لگن مُبارک گھڑی دیکھ کر ٹیکا دیجئے اور مہابلی کو مبارکباد کی عرضی لکھئے۔



(آغا بداق قلیچ بیگ پرگھوتم پنڈت آغا زمانہ)

آغا بداق۔ السلام علیکم۔

قلیچ بیگ۔ وعلیکم السلام۔ فرمائیے کدھر سے؟

آغا بداق۔ دربار سے جشن تھا۔ وہیں دوڑ دوڑ کر ساری رات پامال کی ہے۔

قلیچ۔ ہاں کچھ حال تو سنائیے۔

آغا بداق۔ خاک! تیموریہ کی ترکی تمام ہوگئی۔

قلیچ۔ خیر باشد؟

آغا بداق۔ خدا کی قدرت ہے۔ تیموری دربار چنگیزی جشن۔ بنیوں کی برات ہوگئی۔ ایک وہ وقت تھا کہ بادشاہ دوگانہ پڑھ کر تسبیح ہاتھ میں لئے آتے تھے۔ شیخ الاسلام ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھاتے تھے۔ پہلے فاتحہ پڑھ کر خود نذر دیتے تھے۔ پھر کہتے تھے کہ ظل اللہ کو آداب بجا لاؤ۔ غل ہوتا تھا کہ جہاں پناہ بادشاہ سلامت۔ آج اسی بادشاہ کو جو تشی کی ساعت

بموجب پوجا کرواکر برہمن لایا۔ تخت پر بٹھا کر ڈنڈوت کی اور بولا کہ مہابلی
بادشاہ سلامت۔

قلیچ ۔ ہیں یہ کیا ہوا۔

آغا بداق ۔ ایک بات ہو تو کہوں۔ ادنیٰ تو یہ ہے کہ ڈاڑھی رخصت
ماتھے پر تلک کا سکہ بیٹھا۔

قلیچ ۔ لَاحَولَ وَلَا قُوَّۃَ۔

آغا بداق ۔ ایک بادشاہ؟ حضرت! کتنے ہی چہرے صفاچٹ ہو گئے

یرگھوتم پنڈت سامنے سے آگئے۔

آغا بداق اور قلیچ سرگوشی۔

پس ان لوگوں کی بن آئی ہے۔

آغا بداق ۔ بندگی پنڈت جی! بندگی۔ کہئے کہاں سے؟

پنڈت ۔ دربار سے۔

قلیچ ۔ مبارک ہو صاحب! آج تو بڑی دھوم دھام کی

پنڈت ۔دھن پرمہاتما۔ دھن پر مہاتما۔ دین دھرم کانٹے کی تول۔
اور شیر بکری ایک گھاٹ ہوگئے ۔ مرجا جی ! بڑے آنند رہے ۔

قلیچ ۔ بھلا پنڈت جی کچھ آپ تو کہیئے ۔

پنڈت ۔اکبر دولہا ۔سر پر راجپوتی چیرا۔ اس پر مکٹ دھرا۔ ماتھے پر ٹیکا
چہرہ صفا بہ صفا۔ ہاتھ میں کنگنا۔ گلے میں جامہ۔ جب سنگھاسن پر بیٹھا۔
بس نرنکار ہی نرنکار تھا۔ کیوں مرجا جی؟

آغا بداق ۔واہ پنڈت جی ! بادشاہی تو نہیں خدائی تھی۔ یہ سب
تمہارا ہی ظہور تھا۔

پنڈت ۔جب کشتیاں لائے اور اشرفی جواہر کے مینہ برسائے ۔
امیر اُمرا کیسے گرے جیسے کبوتر دانے پر پانچے بیدانے پر انوپ تلاؤ
دیکھا اشرفیوں سے بھرا تھا۔ دم بھر میں اُڑ گیا ۔

قلیچ ۔واہ وا ۔واہ وا ۔ہمارا بادشاہ عجیب ہفت رنگی بادشاہ ہے۔
فرنگی انجیل لائے تو سر آنکھوں پر۔ آتش پرست آئے تو آتش خانے گرم

پر یہ نیا رنگ ہے۔

پنڈت۔ مہاراج! اب اور ہی پرکاش ہے۔ گؤ کا آدرمان۔ جزیہ معاف اتوار کا ذبح۔ جور و پر نار وا ظلم موقوف۔

(پنڈت جی رخصت) ۔ آغا زمانہ آئے۔

مرزا بداق۔ لو ڈاڑھی کے شوقین آئے۔ ذرا اسے پانی لگا رکھئے۔

آغا زمانہ۔ تر بتر ہے بات تو کہئے۔

قلیچ۔ بس صفا چٹ۔ آج کا خواب اور تعبیر کیا۔

آغا زمانہ۔ خیر! یہ وہم کچھ نئے تو نہیں۔ محلوں میں ہون ہوتا تھا۔ دھرہ کو راکھی بندھتی ہی تھی۔ ہاتھ پر باز بیٹھتا ہی تھا۔ اب کھلم کھلا سہی۔

آغا بداق۔ ابوالفضل فیضی بھی کچھ نہیں کرتے۔

آغا زمانہ۔ واہ! وہ؟ بڑے گرو ہیں۔ پیروں میں پیر۔ عالموں میں عالم شاعروں میں شاعر۔ مسخروں میں مسخرے۔ سپاہیوں میں سپاہی۔ آتشکدہ میں موید کون تھے؟ ابوالفضل۔ انجیل کے مترجم کون تھے؟ ابوالفضل۔

دینِ الٰہی کے خلیفہ کون ؟ ابوالفضل دونو آفت ہیں فتنۂ قیامت ہیں۔

مُداق ۔ وُہ پچھلی رات اکیلا میدان ذکرِ الٰہی میں صبح کرنا۔ نورِ سحر سے امن بھرنا۔ حاجی بننا۔ آگرہ سے اجمیر تک پیدل چلنا۔

قلیچ ۔ صاحب! جس دن حج کو قافلہ رخصت کیا۔ خود احرام باندھ کر تھوڑی دُور ساتھ ہوا۔ اور پُکارا کہ لبیک لبیک (میں حاضر ہوں میں حاضر) اس وقت کی تاثیر اللہ اکبر! دلوں سے ایک شور اُٹھا کہ پتھر بھی پانی ہو گئے ہونگے۔

پانچویں جھلک

صبح ہونے والی ہے تاروں سے آسمان خالی ہے گلشن میں یہ زندہ چہچہانے لگے ہیں نسیم کے جھونکے پھول کھلانے لگے ہیں سرِ شام جس کمرہ میں سینکڑوں شمع جل رہی تھیں عاشق کے دل کی طرح پگل رہی تھیں گھل کر فنا ہو گئیں دیکھتے دیکھتے کیا ہو گئیں مہرالنسا چھپر کھٹ سے اُتر کر دامنگیر

کے نیچے بیٹھی ہے حیا کے مارے اُس کی گردن نیچی ہے ؎

پھول وہ دن بھی تروتازہ کہاں رہتا ہے

آدمی بیس برس تک بھی جواں رہتا ہے

واہ رے چنبیلی اور جوہی تیری نزاکت رات کے دس گھنٹہ میں کِس گئی

مگر غنیمت ہے کہ تیری خوشبو سے دُلہن کی پوشاک بس گئی۔

علی قلی۔ بیگم یہ گلوری میرے ہات سے کھا لیجے اور میں اب باہر جاتا

ہُوں اپنا گھونگٹ ہٹا کر اپنا مکھڑا دکھا دیجے۔

مہرالنسا۔ آپ باہر جایئے زیادہ نہ ستایئے اس وقت مجھے نہ گلوری

اچھی لگتی ہے نہ بیڑا۔ مارے تکان کے میری جان اُڑی جاتی ہے ریزہ ریزہ۔

علی قلی۔ خیر آپ گلوری نہ کھایئے مگر ایک بات پوچھتا ہوں وہ بتایئے

اور میرے دل سے وہم ہٹایئے۔

مہرالنسا۔ خدا خیر کرے آپ نے کیا وہم پکایا ہے۔ آپ کے دل پر

کیا خیال چھایا ہے۔

علی قلی ۔ تمہاری اور صاحب عالم کی نسبت جو ہوائی اُڑی تھی اُس کی کیا اصلیت ہے اور اس ہول جول کے ساتھ تمہارے بیاہ کی کیا حقیقت ہے؟

مہرالنسا ۔ بات یہ ہے کہ صاحب عالم نے مجھے مینا بازار میں دیکھ پایا۔ کبوتر پکڑوانے کے بہانہ سے مجھے پاس بلایا میں الڑ انجان حضرت کے دل کی کیا خبر جو بات انہوں نے مجھ سے پوچھی میں نے صاف صاف کہدی۔ پھر میں پانچ چھ بار اماں جان کے ساتھ محل میں گئی تو صاحب عالم میرے پاس آ کر بیٹھ جاتے اور اِدھر اُدھر کی باتیں للکاتے ۔ ملکہ نے صاحب عالم کی نظروں کا حال جہاں پناہ کے کان میں پھر دیا حضور نے سوچ سمجھ کر ابا جان کو تخلیہ میں بلایا اور آپ کے سات بیاہ ٹھیرایا لوگوں نے اتنی سی بات کا بتنگڑ ابنایا اور اُسے جھنڈہ پر چڑھایا اللہ دانا بینا ہے اگر میں نے صاحب عالم سے کبھی سیدھے منہ بات بھی کی ہو تو زبان میں کیڑے پڑیں اور ایک ایک رونگٹے سے لاکھ لاکھ کیڑے جھڑیں اور جو کوئی

کسی بھلی مانس کی کنواری بالی بیٹی پر تہمت لگاوے اُس کی اولاد کے آگے آئے موئے کے منہ سے مرتے وقت کلمہ نہ نکلے اور لعنتی کے اوپر حضرت عباس کا عَلَم ٹوٹے۔

علی قلی بیگم اللہ جانتا ہے مَیں نے تم سے صرف اس لئے چھان بین کی ہے کہ مجھے اچھی طرح اس معاملہ سے آگاہی ہو جائے اور کوئی دُشمن میرے سامنے زبان نہ ہلائے۔ مَیں خدا کے فضل سے مرد ہوں اور مجھے ہر طرح کا تجربہ ہے مَیں نے آپ کو گوہرِ آبدار اور لولوئے شاہوار پایا۔ علی قلی اپنی تسلی کر کے باہر گیا حمام کر کے لباس پہن رہا تھا جو چوبدار آیا اور اُس نے کہا حضور والا آپ کو یاد فرماتے ہیں فوراً چلئے۔ علی قلی کمر باندھ چوبدار کے ساتھ ہوا قلعہ کے دروازہ میں پہنچا تھا جو دُوسرا چوبدار ملا اور اُس نے کہا حضور والا یاد فرماتے ہیں یہ دربار میں پہنچا تو اس نے دیکھا جہاں پناہ تخت پر رونق افروز ہیں اور تمام ارکانِ سلطنت اپنے اپنے موقع سے حاضر ہیں علی قلی خان قاعدہ کے موافق آداب بجا لایا

شیخ ابوالفضل نے کہا علی قلی آگے آکر ظل اللہ کو سجدہ بجالاؤ۔ علی قلی
سرنگوں ہوگیا اور جب آداب سے فارغ ہوا تو شیخ ابوالفضل نے کہا
جہاں پناہ نے تمہیں بنگالہ میں جاگیر عطا فرمائی یہ اُس کی سند ہے اور
یہ خلعت ہے ایک ہفتہ میں سفر کا بندوبست کرکے تم بنگالہ چلے جاؤ۔
اور خاص بردوان میں تمہیں شاہی باغ اور محل میں رہنے کی اجازت
ہے مگر یہ لحاظ رہے کہ وہاں کے آدمی نہایت سرکش اور متعصب ہیں۔
اور افغانوں کا اثر بھی فی الجملہ وہاں باقی ہے اِس لئے اپنی جاگیر کے
کاروبار کے متعلق تم امیر ابوالعُلا خان بن نواب ابوالوفا خان صاحب
ناظم بنگالہ سے مشورہ لیتے رہنا۔ کشتی میں خلعت آگیا اور بادشاہ کے
اشارہ سے علی قلی کو خلعت پہنایا گیا علی قلی بار بار آداب بجالاتا تھا
مگر ولی عہد بہادر جو کرسی پر بیٹھے تھے اُس کے ہر سلام پر اپنا منہ بگاڑ لیتے
تھے ایک ہفتہ بات کرنے میں نکل گیا۔ علی قلی نے بردوان کی روانگی
کی ٹھان لی زنانی پینس محل کی ڈھیوڑی میں رکھی گئی مہر النسا اپنی

ماں سے گلے مل رہی تھی اور دونوں کی آنکھ سے آنسوؤں کا جھرنا جھر رہا تھا
میرزا غیاث بس بس رونا دھونا موقوف کرو اور ہنسی خوشی سوار ہو جاؤ
خدا ہمارے ولی عہد بہادر کو نیک توفیق دے یہ سارے انہیں کے کرشمہ
ہیں جو ہم لوگوں میں تفرقہ پڑا جہاں پناہ نے مجھ سے تخلیہ میں کہدیا ہے
کہ مرزا گھبرانا نہیں ذرا ہمارے شیخو جی کا مزاج اعتدال پر آجائے تو ہم
تمہارے بیٹی داماد کو یہیں اکبرآباد میں بلالیں گے اور اپنی آنکھوں کے
سامنے رکھیں گے ہم نے جو اس وقت انہیں کالے کوسوں بھجوایا ہے
اس میں یہی مصلحت ہے کہ شیخو جو مایوس ہو کر اس خیال کو اپنے دماغ سے
نکال دیں گے اور بہ مثل ٹھیک ہو جائے گی پانڈہ جی پچتائیں گے اور
دہی چنے کی کھائیں گے۔

چھٹی جھلک

ابوالفضل کی عرضداشت

بعد آداب اور القاب مقررہ کے۔ فدوی مع راجہ بیربل کے بخیر و عافیت

تمام جودھ پور پہنچا چونکہ بندگان عالی کو جغرافیہ کے ساتھ خاص دلچسپی

ہے اس لئے خانہ زاد پہلے اسی کو عرض کرتا ہے۔ ہم لوگ مارواڑ کے

چٹیل میدان اور بڑے بڑے ریگستان طے کر کے جودھ پور پہنچے۔ اس

ریاست کا رقبہ ۳۷ ہزار میل مربع ہے اس شہر کو ۱۴۵۹ء میں جودھا راؤ

نے آباد کیا ہے اس کی آبادی ایک ریتیلی پہاڑی سلسلہ کے جنوبی

کنارہ پر واقع ہوئی ہے جو پورب اور پچھم کی طرف چلی گئی ہے شہر پناہ

کا دور ۶ میل سے کم نہیں ہے جودھ پور کے سات دروازہ ہیں ریاست

کا قلعہ بہت استوار ہے کیونکہ اسے پہاڑ میں کندہ کر کے بنایا ہے ویسے تو

چاروں طرف کے پہاڑ کاٹ کر فصیل نکالی ہے مگر شمالی کنارہ خصوصاً گڑھی

جانفشانی سے تراش کر درست کیا گیا ہے جہاں قلعہ کی دیوار بالکل عمودی
کنارہ پر بنی ہوئی ہے جسے دیکھ کر ارسطو اور افلاطون کی عقل دنگ
ہوتی ہے اس کی بلندی ایک سو بیس فٹ ہے۔ جب مُرغِ نظر اپنے آشیانہ
سے پرواز کرتا ہے تو اُسے بہت سے مُدوّر ٹیلے اور مربع بُرج پہاڑ کی چوٹی
پر دکھائی دیتے ہیں قلعہ میں داخل ہونا بہت دشوار ہے کیونکہ سات جگہ
ایسی حدبندی ہو رہی ہے جس سے گزرنا تو کیسا فقط اُنہیں دیکھ کر ایک
بہادر انسان کا دل سینہ میں کانپ اُٹھتا ہے ساتوں مقاموں پر دن رات
پہرا رہتا ہے آہن پوش سپاہی اس مستعدی سے خبردار رہتے ہیں کہ ہوا
کا آنا جانا بھی مشکل سے ہوتا ہے۔ جب سب بل دار اور پیچ دار رستوں کو
طے کر کے قلعہ کے خاص دروازہ پر پہنچتے ہیں تو اس کی او کار پر مورثِ اعلیٰ
کی پندرہ رانیوں کے ہاتوں کی تصویریں پتھر پر کندہ دکھائی دیتی ہیں جو
اپنے عالیشان شوہر کے سات جل کر ستی ہو گئی تھیں اور دُنیا کو سبق
دے گئی تھیں کہ دُنیا میں سب سے زیادہ ہندوستان کی عورتیں اور

ہندوستان کی سب عورتوں میں راجپوت گھرانہ کی استریاں ایسی پتی ورتا
ہوتی ہیں جو اپنی پران اگنی میں جھونک دینے کچھ بات نہیں سمجھتی ہیں
اس پہاڑ کی چوٹی پر پُرانے محل قابل دید ہیں ان محلوں کی کھڑکیوں سے
سیر کرنے میں عجب لطف حاصل ہوتا ہے اور شہر کی آبادی ایک گھونسلا
دکھائی دیتی ہے چونکہ یہ ریگستانی ملک ہے اور درختوں کے جنگل کم ہیں
اس لئے بارش کم ہوتی ہے اور اسی وجہ سے پانی کی قلت رہتی ہے مگر
اس کا تدارک یہاں کے اولوالعزم حاکموں نے حوض اور تالاب بنا کر
کیا ہے پدم ساگر نام ایک تالاب شہر کے شمالی اور مغربی حصہ میں ایک
چٹان کھود کر بنایا ہے ایک رانی ساگر نام حوض ہے گلاب ساگر
ایک حوض قیمتی پتھروں سے لاکھوں روپیہ کی لاگت میں تیار کیا گیا ہے
جس کا پانی باغِ بہشت کے آب کوثر کو یاد دلاتا ہے۔ شہر کے جنوب میں
ایک تالاب بائی جی کا ہے ایک میل پر اکھیراج جی کا تلاؤ مشہور
ہے۔ اوتریں بال سمند ایک خوشنما تالاب ہے یہاں کے مندروں

کی اداون میں سے خاص سہامندر کی کیا تعریف لکھی جائے۔ جب
حضور ملاحظہ فرمائیں گے تو بہت خوش ہوں گے اس مندر کے پوجاری
ناتھ جی کہلاتے ہیں اگرچہ مہاراج دھیراج کو میں نے حضور کے دربار
میں دیکھا ہے اور اُن کا جاہ وحشم بھی میری نظر سے گزرا ہے مگر اُنکے
اصلی مراتب یہاں پہنچ کر معلوم ہوئے ہیں جن کے لکھنے کے لئے بڑا
وقت درکار ہے اور غلام ضروری خدمت کی بجاآوری میں مشغول ہے
سرحد جودھپور میں داخل ہوتے ہی ہمارے لشکر کی دعوت مہاراجہ کی طرف
سے شروع ہوگئی۔ ادنیٰ اعلیٰ کے لئے ایرانی اور ہندوستانی کھانے
اور ہر قسم کے ولایتی میوے تر و خشک دسترخوان پر اس کثرت سے
چُنے جاتے تھے جن کا ایک ایک لقمہ کھانے سے پیٹ بھر جاتا تھا حیرت
اس بات کی ہے کہ مہاراجہ ہندومت ہیں ہم مسلمانوں اور مسلمانوں میں
سے ایران توران کے مسلمانوں کی غذاؤں سے کیا خبر مگر دونوں وقت
ہمارے لئے دیسی اور ولائتی مرغوب نعمتیں مہیا ہوتی تھیں انسانوں کی

خاطر تواضع کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں تھا گھوڑوں اور بار برداری کے جانوروں کے لئے قسم قسم کے ملیدہ کھیر حلوے دوآب تو ید شربت دود بھیجے جاتے تھے مہمانوں کے لئے زربفت ومخمل کے بڑے بڑے ڈیرے خیمہ برپا ہوتے تھے جن کے کلس اور برجیاں دیکھ کر چرخ بریں سر جھکا دیتا تھا شام کو سارا لشکر چراغ اور قندیلوں کی روشنی سے کوہ طور بن جاتا تھا۔ جب ہم اس طلسماتی سیر و تماشہ کے سات خاص جودپور میں داخل ہوئے تو ہمارا استقبال بڑی دھوم دھام سے ہوا جن مکانوں میں ٹھیرائے گئے انکی تیاری اور آرائش قلم دو زبان لکھ نہیں سکتا ہے مہاراجہ کے لشکر فوج خزانہ جواہر خانہ جب نظر سے گزرے تو قیصر و سکندر کے جاہ و جلال کے افسانہ ہیچ ہوگئے فدوی نے اور راجہ بیربل نے موقع کے ساتھ تخلیہ میں حضور کا پیغام بہت ادب کے سات مہاراجہ کے گوش گزار کیا اس کے جواب میں مہاراجہ نے فرمایا جہاں پناہ کا ارشاد ہم لوگوں کی سر آنکھوں پر مگر اس کا جواب بغیر سوچ سمجھے نہیں دیا جا سکتا ہے آپ چند روز غریب خانہ پر

ٹھیر کر آرام لیں پندرہ روز تک مہاراجہ کی طرف سے کوئی صدا نہ اُٹھی۔ مگر غلام بار بار اشارتاً کنایتاً یاد دلاتا رہا سولویں روز بہت قیل و قال کے بعد مہاراجہ بہادر نے حضور کے فرمودہ کو قبول کر لیا شکر ہے کہ حضور کی تمنا بر آئی اور صورت مُراد نے آئینہ میں دکھائی شتر سوار صبا رفتار کی معرفت یہ عریضہ ارسالِ خدمت فیضدرجت کیا جاتا ہے فدوی کو اب یہاں صرف اتنا کام اور باقی ہے کہ جب مہاراجہ بہادر کے خاندانی پنڈت جوتشی اور بادشاہی منجم اور پنڈت برہمن پروہت جو ہمارے ساتھ آئے ہیں ایک جگہ بیٹھ کر اور سبھ گھڑی سب لگن نیک تاریخیں بیاہ اور منگنی کے لئے مقرر کر دیں اور پہلے ٹیکہ اور ٹیکہ کی رسم کے بعد لال خط کے بھیجنے کا صحیح وقت مجھے معلوم ہو جائے تو فدوی یہاں سے روانہ ہو کر سعادت آستانہ کی حاصل کرے۔ فقط

چنانچہ جب یہ عریضہ حضور کی خدمتِ اقدس میں پہنچا اور اُس کا مضمون نظرِ انور سے گزرا بادشاہ پھولے نہ سمائے اور اُس کے بعد

میرزا سلیم نورالدین جہانگیر کی شادی مہاراجہ جودھپور کی دختر نیک اختر سے ہوگئی جس کی دھوم دھام تواریخ میں لکھی ہے اُس کا ایک شمہ یہ ہے کہ اکبر اعظم برات لیکر بہ نفسِ نفیس جودھپور گیا تھا اور جب بہو (جس کا لقب جودھا بائی تھا) سوار ہوئی تھی تو شاہنشاہ جلال الدین اکبر نے کہاروں کی طرح اُس کے مہاڈول کو کندھا دیا تھا ہمیں اس مقام پر جودھا بائی کی صرف عظمت اور شان و شوکت دکھانی منظور تھی اِس لئے یہ چند کلمہ لکھ دیئے ورنہ ہماری اصلی غرض اس ڈراما میں نور جہاں کے معاملہ کو پیش کرنا ہے اچھا اگلا سین دیکھئے۔

ساتویں جھلک

مَیں عشق کا دیوتا ہوں آنکھوں سے اندھا ہوں گورے کالے کی مجھے تمیز نہیں مجھے یُوسف جیسا حسین عزیز نہیں۔ مَیں رحم نہیں جانتا

میں مہربانی کو نہیں پہچانتا یوسف کو بھائیوں کے طمانچہ کھلواتا ہوں یوسف کو
کنوئیں جھنکواتا ہوں کوڑیوں کے مول بکواتا ہوں زلیخا کی پارسائی کا
دامن چاک کرتا ہوں فرہاد کو شیریں کی تمنا میں ہلاک کرتا ہوں۔ میں
کسی کا یار نہیں۔ میں اصلا وفادار نہیں۔ نواب امیر ابوالعلا خان صاحب
بنگالہ کے ناظم صحیح النسب حسینیؑ سید تھے ان کے دادا امیر عبدالسلام سمرقند
سے اکبرآباد آئے اور جلال الدین اکبر کی قدردانی کی وجہ سے معزز عہدہ پر
ممتاز ہوئے اور بادشاہ کے ہمرکاب عرصہ تک فتح پور سیکری میں رہے
اُس کے بعد مکہ معظمہ کو چلے گئے اُن کا منصب بادشاہ نے اُن کے فرزند
ارجمند امیر ابوالوفا کو دیدیا مگر امیر ابوالوفا صاحب کی عمر نے وفا نہ کی اور
انہوں نے ایک ہونہار بچہ امیر ابوالعلا نام چھوڑا۔ اور امیر ابوالعلا کو
اُن کے نانا خواجہ فیضی نے پالا پوسا خواجہ فیضی کو جب راجہ مان سنگھ
اپنے ہمراہ بنگالہ لے گئے تو اپنے نانا جان کے ساتھ امیر ابوالعلا کو
بھی بنگالہ جانا پڑا راجہ مان سنگھ نے جب دن رات امیر ابوالعلا کو

اُن کے نانا کی خدمت میں دیکھا تو اُن کی خوبیاں دیکھ کر وہ دنگ ہوگئے تھوڑی سی عمر میں سب علوم پڑھ کر فارغ ہوگئے تھے ملکی معاملات میں ایسا مشورہ دیتے تھے کہ راجہ مان سنگھ کہتے تھے جو چھوٹے میر صاحب نے کہا ہے ہم تو وہی کریں گے جب جنگ کا وقت آتا تو امیر ابوالعلا خان راجہ مان سنگھ اور اُن کے سپہ سالار فوج سے دو قدم آگے ہوتے اور ایسی بہادری دکھاتے کہ راجہ مان سنگھ فرماتے ابوالعلا ہندوستان میں ارجن اور بھیم بن کر پیدا ہوا ہے ایک دن مہاراجہ مان سنگھ نے انہیں ڈھیلا ڈھالا کرتہ پہنے اور نیلا تہ بند باندھے دیکھ لیا ہنس کر کہا میراں جی تم نے جو سن لیا ہے کہ حاجی پور والے داؤد شاہ سے مقابلہ ہونے والا ہے اِس لئے بھیس بدل کر بھاگنے کے ارادہ میں ہوگے امیر ابوالعلا خان نے مہاراجہ مان سنگھ کو اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ صبح کو معلوم ہوا کہ نواب امیر ابوالعلا خان سچ مچ لشکر سے غائب ہیں اور میر صاحب نے یہ غضب کیا کہ تن تنہا دریائے گنگا کو عبور

کرکے عظیم آباد پٹنہ سے کچھ آگے جاکر داؤد شاہ خونخوار سے جا بھڑے
اور مینا پور کے مقام پر اُسے خاک وخوں میں ملا اور اُس کا سر لیکر واپس
آ گئے مہاراجہ مان سنگھ نے کہا سا کھا اسی کا نام ہے میراں جی تم نے
داؤد شاہ کو کیا مارا گویا شاہنشاہ اکبر اور میرے دل سے کانٹا نکال دیا
قضا و قدر کے معاملہ کو دیکھئے خواجہ فیضی امیر ابو العلا صاحب کے نانا
بنگالہ کے ایک معرکہ میں کام آئے اور بعض ضرورتوں کی وجہ سے اکبر
نے راجہ مان سنگھ کو حضوری میں طلب کیا مہاراجہ مان سنگھ نے اکبر کو
عرضی میں لکھا دار الخلافہ سے کسی ناظم یا صوبہ دار کو بنگالہ بھیجنے کی ضرورت
نہیں ہے فدوی کے نزدیک بنگالہ کی حکومت کے لئے امیر ابو العلا خان
کافی ہے مجھے بہر طور اس پر بھروسہ ہے کیونکہ مشورہ اور تدبیر کے وقت
یہ نوجوان ارسطو اور بلیناس ہے اور عرصۂ کارزار میں رستم و سہراب۔
حضور کی اجازت ہو تو یہ ملک اُسے سپرد کر کے حاضر حضور ہوں جواب
آیا کہ جس پر تمہیں بھروسہ ہے اُس پر ہمیں بھروسہ ہے ہم نے امیر ابو العلا کو

اُس کے نانا صاحب کے سات دیکھا تھا تو کہدیا تھا ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات میں اسے بھی خالقِ یکتا کی اپنے اوپر مہربانی سمجھتا ہوں کہ میری قلمرو میں ایسے ایسے ہونہار اور گوہرِ آبدار پیدا کرتا ہے۔ آپ اُسے بردوان میں بٹھا کر اور مابدولت و اقبال کے مرحمتِ خسروانہ کا اُمیدوار بنا کر جلد سعادتِ قدمبوس حاصل کیجیے کہ ہمیں آپ کی دُوری بہت پریشان رکھتی ہے چنانچہ راجہ مان سنگھ امیر ابو العلاء کو نظامت کا خلعت شاہنشاہ کی طرف سے پہنا کر اکبر آباد چلے آئے اور امیر ابو العلا خان بردوان میں بیٹھے سلطنت کا مزا لے رہے تھے جو علی قلی سندِ جاگیر لیکر مع مہر النساء کے بردوان پہنچے امیر ابو العلا خان ایک لائق فائق انسان اور قدردان شخص تھے۔ اُنھوں نے علی قلی کو ہاتوں ہات لیا چند ہی روز میں ابو العلا خان کی اور اُن کی دانت کاٹی روٹی ہو گئی جب ذرا دیر ہو جاتی تو امیر ابو العلا خان صاحب کا چوبدار پہنچتا۔ کہ چلئے ناظم صاحب آپ کو یاد فرما رہے ہیں ؎

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد
کسے را باکسے کارے نباشد

خدا مہربان تو کل مہربان شہنشاہِ اکبر کا یہ کرم مال و دولت کی یہ ریل پیل ہوئی ایسی ملی کہ چندے آفتاب چندے ماہتاب جنت کی حوریں جس پر قربان ہو جائیں کوہ قاف کی پریاں اُس کی ایڑی دیکھ کر اپنے مُنہ چھپائیں دن رات عیش و آرام تھا ہنسی خوشی سے کام تھا جو خدا نے غنچۂ مُراد کھلایا مہرالنسار نے اپنی گود کو بھرا پُرا پایا ہُوئی تو لڑکی مگر حُسن و جمال میں آفتاب تھی اور قدر و قیمت میں گوہرِ نایاب تھی اِدھر ماں اُسے اُنگلوں ناپتی اُدھر علی قلی اُسے دیکھ کر شاد ہوتا اس ہنسی خوشی میں علی قلی کو بردوان میں رہتے سات برس ہو لئے بادشاہی ڈاک میں دِلّی اکبر آباد سے عزیزوں کے خط آتے رہتے اور اُن سے قسم قسم کے حالات معلوم ہوتے کسی میں لکھا آتا میرزا سلیم کی دوہری دوہری شادیاں ہو گئیں کسی میں لکھا آتا میرزا سلیم کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا ہے اُس کا نام

شہنشاہ نے خسرو رکھا ہے کہیں یہ لکھا آتا میرزا سلیم کے کاشانہ میں
ایک اور لڑکا پیدا ہوا ہے اس کا نام حضور نے میرزا خورم تجویز فرمایا
ہے اور کہیں خوشی کے عالم میں حضور اُسے شاہجہاں بھی زبان مبارک
سے فرماتے ہیں مگر ایک دن کی ڈاک نے ایسی خبر وحشت ناک سنائی
جس نے آنکھوں میں خون کی ڈاک بٹھائی لکھا تھا کہ شاہنشاہِ عالی پایگاہ
جلال الدین اکبر نے بدھ کے دن ۱۲ جمادالآخر سنہ ۱۰۱۴ ہجری کو یہ
دُنیائے دُنی چھوڑ کر عالمِ قُدس کی طرف رحلت فرمائی اور تختِ سلطنت
نے نورالدین جہانگیر کے دم قدم سے رونق پائی۔ تمام بردوان میں
ہل چل مچ گئی۔ علی قلی اور امیر ابوالعلاخان آنکھوں سے آنسو پونچھتے
جاتے تھے اور باتیں کرتے جاتے تھے۔

امیر ابوالعلاخان۔ بھائی علی قلی ہم تو گھر سے لڑ رہے تھے ورنہ ہمارا
دل تو برسوں ہوئے نوکری سے اُچاٹ ہو چکا ہے راجہ مان سنگھ جی کی
گھیرا چھپی اور جلال الدین اکبر کی قدردانی سے میں دونوں کو دھکّہ دے

رہا تھا جب وہ قدر دان ہی خاک میں جا سویا تو ہم کس کے ہو کر رہینگے افسوس افسوس ایسا لایق فایق بادشاہ اب سینکڑوں برس میں بھی پیدا نہ ہوگا۔

علی قلی۔ آپ کا فرمانا بالکل درست ہے خدا اُس کی روح کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔ ایسا رعیت پرور کرم گستر عادل بادل شیر دل امیر تیمور کے بعد سچ پوچھئے تو ترکوں کے گھرانہ میں یہی پیدا ہوا تھا اور یہیں تو عروج اُسی کے دم قدم سے ہوا ہے خیر اللہ کی مرضی ؎

تو ہی اپنے ہات سے جب دلستاں جاتا رہا

دل کی بھی پروا نہیں جب جاتا رہا جاتا رہا

دیکھئے نئے شاہنشاہ کس طرح پیش آتے ہیں اور ہم بیکس پردیسیوں پر کیا کرم فرماتے ہیں میرے سات جو اُنہیں ایک قسم کی لاگ ہے اُسکی خبر آپ کو ضرور ہوگی۔

امیر ابوالعلا خان۔ میں خوب جانتا ہوں مجھے ذرا ذرا حال معلوم ہے۔

علی قلی۔ اب کیا کرنا چاہیئے۔

امیر ابوالعلا خان۔ کرنا کیا چاہیئے مجھے اور آپ کو اکبر آباد چلنا چاہیئے تعزیت اور تہنیت دونوں ادا کرنی ہونگی۔ علی قلی نے محل میں آکر مہرالنسأ سے کہا اکبر آباد چلنے کی تیاری کرو اس بات کو سن کر اُس کا چہرہ فق ہوگیا مگر بیچر مچر سے کام نہیں چلا کرتا امیر ابوالعلا خان اور علی قلی اپنے اپنے اہل وعیال کو بردوان سے لیکر اکبر آباد جا پہنچے برسوں کے بچھڑے ہوئے اپنے پیاروں سے مل کر خوش ہوں گے میرزا غیاث اور اُس کی بیوی نواسی کو دیکھ کر ایسے خوش ہوئے کہ پھولے نہ سمائے۔ جب امیر ابوالعلا خان اور علی قلی جہانگیر کے دربار میں پہنچے تو اُنہیں معلوم ہوا گویا خدائی پلٹ گئی ہے۔ نئے نئے رنگ تھے نئے نئے ڈھنگ تھے ٭



آٹھویں جھلک

گرمی کی رات ہے اکبرآباد کے لال قلعہ میں دیوانِ خاص کی چھت گلاب کیوڑہ کے چھڑکاؤ سے ٹھنڈی ہو رہی ہے نورالدین جہانگیر شاہنشاہ ہلکا پھلکا لباس پہنے تختِ زرنگار پر رونق افروز ہیں تخت سے دہنے بائیں امیر کبیر منصب دار عہدہ دار سر جھکائے حاضر ہیں فرش کے اوپر مردنگیاں اور جھاڑ رکھے ہیں اُن میں سینکڑوں شمع پڑی جل رہی ہیں اور اُن کی روشنی سے رات کا دن بن رہا ہے سامنے دریائے جمنا کا پانی چمک رہا ہے اور اُدھر سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے جو آتے ہیں وہ رُوح کو تازگی بخشتے چلے جاتے ہیں تخت کے سامنے بڑی ساری میز پر مے نوشی کا سامان چنا ہوا ہے جب شاہنشاہ فرماتے ہیں ؎

ساقی بنورِ بادہ برافروز جامِ ما
مطرب بگو کہ کارِ جہاں شد بکامِ ما

ایک ماہرو غلام بلور کے پیالہ میں تھوڑی سی اونڈیل کر شاہنشاہ کے سامنے پیش کرتا ہے اور جہاں پناہ اُسے نوش فرما کر اشارہ کرتے ہیں تو دوسرا غلام رنگترہ کی ایک پھانک چھیل کر اور زمرد کی طشتری میں لگا کر سامنے لاتا ہے شاہنشاہ اُسے سونے کے چمچہ میں لیکر کھا لیتے ہیں بادشاہ نے اُس غلام کی طرف دیکھا جو رنگترے چھیل رہا تھا وہ چاہتا تھا کہ طشتری میں راحتِ جان پیش کرے حضور نے فرمایا رنگترہ چھیلو نہیں ایک رنگترہ سالم کا سالم ہمارے روبرو لاؤ غلام رنگترہ لے آیا۔

شاہنشاہ جہانگیر۔ دیکھو یہاں سے دو سو قدم دور جو دیوار نظر آتی ہے یہ زنانہ محل کی ہے اس کے نیچے چھت پر کرسی رکھوا ور کرسی پر یہ رنگترہ رکھو اور دیوار میں جو طاق ہے اُس میں ایک غدغہ روشن کر کے دھر آؤ تا کہ رنگترہ پر خوب روشنی پڑے غلام نے فوراً حکم کی تعمیل کی قورچی باش نے حضور کا منشا معلوم کر کے حضور کے سامنے ایک ترکش تیروں کا اور ایک کمان رکھ دی حضور نے رنگترہ کو ہدف بنا کر ایک تیر مارا۔ مگر تیر

زنگترہ میں نہ لگا حضور والا نے کمان ہات سے رکھ کر حاضرین کی طرف دیکھا جس کا یہ منشا تھا کہ اب تم لوگ تیر لگاؤ اِتنا اشارہ پاتے ہی سب امیروں نے اپنی اپنی کمانیں اور ترکش سنبھالے اور زنگترہ پر تیر پڑنے لگے مگر وہ ایسا بے حیا تھا کہ ایک تیر اُس میں جا کر نہ لگا۔

شاہنشاہ ۔ نواب ابوالعلاخان تم ایسے الگ تھلگ کیوں کھڑے ہو۔

امیر ابوالعلاخان ۔ حضور بھلا فدوی بندگانِ عالی کے قدموں سے کب الگ ہو سکتا ہے یہ حضرات تیر لگا رہے تھے میں تماشا دیکھ رہا تھا یہ کہکر امیر ابوالعلاخان نے اپنی کمان کندھے سے اُتار تیر رکھ کر جو نشانہ باندھا تو زنگترہ اُڑ گیا۔

شاہنشاہ ۔ واہ واہ بہت اچھا نشانہ لگایا امیر ابوالعلاخان نے کئی بار سلام کیا حضور والا کے منہ سے واہ واہ نکلتے ہی واہ واہ کا غُل مچ گیا۔

شاہنشاہ ۔ اللہ اس وقت ابوالعلاخان تم نے ہمارا دل بہت خوش کیا

تو کیا یاد کروگے اس وقت تمہیں انعام بھی خاص ہی دیا جاتا ہے۔ یہ کہکر
جہانگیر نے شراب کا بھرا ہوا پیالہ ابو العلا خان صاحب کو عنایت فرمایا
اور ارشاد کیا ؎

بنوش بادہ کہ ایام غم نخواہد ماند

نواب ابو العلا خان نے جلدی سے کورنش ادا کی اور شراب کا جام سرشار
حضور کے ہات سے لے لیا جب بادشاہ نے ساقی کی طرف توجہ فرمائی تو
اُنہوں نے جھٹ پٹ اُس پیالہ کو اپنی قبا کے گریبان میں اُلٹ پیالہ میز پہ
رکھ دیا حضور والا نے غلام کو پھر اشارہ کیا اُس نے دُوسرا کنگرہ کُرسی پر
جا کر رکھ دیا اور پہلے جہانگیر نے خود اور اُس کے بعد اور درباریوں نے
تیر لگائے مگر سب کے تیر خطا گئے اب پھر باری نواب ابو العلا خان کی آئی
اور انہوں نے اب کے بھی تیر سے کنگرہ اُڑا دیا شاہنشاہ پھر خوش ہوئے
اور انعام میں ایک جام بادۂ مردافگن کا عنایت ہوا یہ پھر کورنش و مجرا بجا لائے
اور جہانگیر کے ہات سے پیالہ لے لیا اور اس بات کے منتظر رہے کہ بادشاہ

کی نگاہ بچا کر شراب کو پھینک دیں جہانگیر بھی امیر ابو العلا خان کے دل کی بات کو پا گئے اور جان کر انہوں نے گردن جھکا لی مگر کنکھیوں سے دیکھتے رہے امیر ابو العلا خان نے موقع پاتے ہی جھوٹ موٹ پیالہ کو منہ تک لیجا کر گریبان میں اُلٹ لیا اور ناپاک شراب اوپر کے لباس کو گندہ کرتی ہوئی شلوار تک پہنچ گئی جہانگیر نے حکم دیا رنگترہ پھر کرسی پر رکھو اور غلام نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔

شاہنشاہ ۔ہم جانتے ہیں ابو العلا خان تم نے بنگالہ میں بیٹھے بیٹھے صرف تیر اندازی کی ہی مشق کی ہے تمہارا کوئی تیر خطا نہیں کرتا حالانکہ دو سو قدم کا پلہ ہے رات کا موقع ہے مگر ماشاء اللہ تم ہدف مار دیتے ہو۔

امیر ابو العلا خان ۔حضور کا اقبال۔

شاہنشاہ ۔اچھا اس رنگترہ کو بھی اُڑاؤ۔

امیر ابو العلا خان ۔بہت خوب۔ یہ کہکر امیر ابو العلا خان نے تیر مارا تو ٹھیک رنگترہ پر لگا۔حضور والا نے بہت تعریف کی اور تیسرا پیالہ

اپنے ہات سے لبریز کر کے انہیں عنایت فرمایا امیر ابوالعلا خان پہلی اور دوسری دفعہ کی طرح اب کے بھی شراب پھینکنی چاہتے تھے جو جہانگیر نے جھلا کر کہا بس بس ابوالعلا تو بڑا بے ادب ہے کہ ہمارے عطیہ خاص کو ضائع کرتا ہے ہم نے دیکھ لیا ہے کہ تو نے دوبار اس جوہر خوش رنگ خوش مزہ کو برباد کیا ہے اور اب تیسری دفعہ بھی اُسے خاک میں ملانا چاہتا ہے تو غضب سلطانی سے ڈرتا نہیں ہے۔

امیر ابوالعلا خان۔ آپ غضب رحمانی سے نہیں ڈرتے ہیں جو سر دربار اِس ناپاک کو پیتے ہیں اور اپنے سات اَوروں کی عاقبت بھی خراب کرنی چاہتے ہیں۔ رباعی۔

یہ فقر کی دولت ہے نبیؐ کی میراث
یہ علم و شجاعت ہے علیؑ کی میراث
خود گنجِ کرامات ہیں سید ہیں فراق
لیتے نہیں ہم اَور کسی کی میراث

میرا استعفا زبانی قبول فرمایئے اللہ اکبر مغل اعظم شاہنشاہ نورالدین جہانگیر
کے سامنے نوکر اس طرح دو بدو کرے اور وہ زندہ رہے نشہ میں تو پہلے ہی
حضور والا چُور ہو رہے تھے اُس پر آیا غصہ پھر کیا ٹھکانہ سامنے تلوار رکھی
ہوئی تھی فوراً غلاف سے نکال لی اور چاہا کہ امیر ابوالعلا خان کے
دو ٹکڑے کر دیں مگر نواب ابوالعلا خان تلوار کو دیکھ کر ذرا نہ گھبرائے مگر
کسی قدر اپنی قبا کی آستینوں کو اُنہوں نے جنبش دی اور بادشاہ نے
اور سب حاضرین نے دیکھا کہ دو شیر غرّاں آستینوں میں سے نکلے اور
جہانگیر کی طرف لپکے جہانگیر تخت کے نیچے گھس گیا محفل درہم برہم ہوئی
ہوا کے ایک جھونکہ نے ساری روشنی کو گل کر دیا حاضرین محفل پیکر تصور
بن کر رہ گئے کچھ دیر کے بعد سب کے حواس ٹھیک ہوئے تو معلوم ہوا
کہ امیر ابوالعلا خان اپنے مکان کو چلے گئے ہیں بادشاہ بیہوش تھے
اُنہیں تخت کے نیچے سے نکالا اور محلسرا میں پہنچایا بادشاہ سلامت
رات بھر بیہوش رہے صبح کو جب طبیعت درست ہوئی اور باہر تشریف

لائے تو معلوم ہوا امیر ابوالعلاخان نے اپنا گھر راہ خدا میں لُٹا دیا اور سر منڈوا کر ایک گزی کا نیلا تہ بند باندھ لیا ہے اور دھوتر کا کرتہ پہن لیا ہے اور فرما رہے ہیں ہمیں دُنیا اور دُنیا والوں سے کچھ سروکار نہیں ہے بادشاہ سلامت اس قصہ کو سُنکر بالکل چُپ ہو گئے کیونکہ رات کا سارا قِصّہ اور ہیبت ناک شیروں کا حملہ آنکھوں کے سامنے تھا بقول شخصے نزلہ بر ضعیف می ریزد۔ اُس سیّد پر تو کچھ بس نہ چلا سامنے بیچارہ علی قلی آ گیا اُسے دیکھتے ہی حضور کی آنکھوں میں خون اُتر آیا حکم دیا ایک مست ہاتی حاضر کرو۔ اُسی وقت ہاتی لایا گیا۔

بادشاہ سلامت۔ علی قلی ہم نے سُنا ہے تم مست ہاتی سے بڑوان میں کئی بار کُشتی لڑے ہو اور اُسے تم نے زیر کیا ہے اچھا اس وقت ہمیں بھی اپنا جوہر دکھاؤ۔ علی قلی خان اگر یہ کہتا کہ یہ بات بالکل غلط ہے تو خدا جانے اس گستاخی کے بدلے کیا سزا تجویز ہوتی اِس لئے وہ بدنصیب اپنی جان پر کھیل گیا اور اُس نے کہا حضور کا فرمانا بالکل بجا ہے غلام

نے حضور کے نمک کے زور سے کئی بار ہاتی کو پچھاڑ پچھاڑ دیا ہے اگر
حضور کی یہی خوشی ہے کہ غلام اس ہاتی سے دست وگریبان ہوجائے
تو اجازت عطا ہو تمام دربار نے اس بات کو سُنکر اپنے سر نیچے کر لئے
کیونکہ جیسا لغو سوال بادشاہ سلامت نے دیا تھا ویسا ہی جواب پایا تھا
مگر جہان پناہ نے اس کی اصلا پروانہ کی اور فرمایا اجازت ہے
علی قلی مست ہاتی کے سامنے جا کھڑا ہوا وہ مستی میں اندھا ہو رہا تھا
اُس نے ایک دم سے علی قلی پر حملہ کیا مگر یہ بڑا اچپیتا اور پھرتیلا نوجوان تھا
اُس کی ٹانگوں میں سے نکل پیچھے جا کھڑا ہوا سارا دربار حیران تھا کہ
چڑیا سا آدمی دیو سے لڑ رہا ہے اسی طرح مست ہاتی نے پچاس بار
علی قلی پر حملہ کیا مگر علی قلی کی موت نہ تھی بچ بچ گیا بار بار حملے کرنے
سے ہاتی کے دانتوں کو صدمہ پہنچا اور وہ دُم دبا کر بھاگا اور علی قلی نے
بادشاہ سلامت کے تخت کے آگے آکر سلام کیا بادشاہ نے بہت کچھ
آفرین کی دربار برخاست ہوا تو یہ گھر پہنچا دیکھا کہ ساس اور بیوی

محل کی ڈھیوڑی میں کھڑی دھاروں رو رہی ہیں کیونکہ یہاں یہ خبر آئی تھی کہ بادشاہ نے علی قلی کو مست ہاتی سے کچلوادیا ساس نے آگے بڑھ کر بلائیں لیں اور بہت سا صدقہ اُتارا۔

میرزا غیاث کی بیوی۔ اچھی بادشاہ کو یہ کیا سُوجھی تھی۔

علی قلی۔ حضرت سُوجھی کیا تھی وُہی پُرانا غبار اُن کے دل میں بیٹھا ہوا ہے میں جب دربار میں جاتا ہوں جلی کٹی کی لیتے ہیں ٹک جیئے تو پھر کیا کسی نہ کسی دن وہ میری جان پر بنا دیں گے۔

میرزا غیاث کی بیوی۔ نہیں میاں دور پار تمہارا کدھر خیال ہے اچھا امیر ابوالعلا خان نے کیا کیا تھا جو اُس کے سر ہو گئے یہ کہو۔ وہ کل مُونہی گندی چیز اُن کے مُنہ کو اچھی لگی ہے جس نے اُنہیں دین دُنیا سے کھو دیا ہے اولاد کلیجہ کی کور کہلاتی ہے اُس نے خسرو کا ذرا خیال نہ کیا اور اُسے لاہور میں دربدر پھرایا بھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان نوج ایسی سلطنت کو خدا کھوئے جس کے پیچھے باپ اولاد کی جان کا لاگو

ہوجائے الغرض گھر گھر یہی چرچا تھا کہ سید ابو العلا صاحب کو بادشاہ نے ناخوش کیا بہت بجا کیا وہ ایک فقیر منش آدمی ہیں اگر آیندہ اُن سے گستاخی کی لی تو اپنے کیئے کی سزا پائیں گے بزرگوں کی بد دُعا بُری ہوتی ہے بادشاہ کا دماغ افیون اور شراب نے خراب کر دیا ہے شہر میں تو اسی قسم کی باتیں ہو رہی تھیں جو قراول ایک زبردست جنگلی شیر کو پنجرہ میں بند کر کے بادشاہ کے حضور میں لائے پنجرہ میں پہیے لگے ہوئے تھے جہاں چاہتے تھے گھسیٹ کر لے جاتے تھے شیر تین دن سے بھوکا پیاسا تھا اور نہایت غضب ناک ہو رہا تھا۔

بادشاہ سلامت ۔علی قلی ہم نے سُنا ہے تم نے بنگالہ میں سینکڑوں شیر بغیر ہتیار کے جان سے مارے ہیں اور اس بات کی تصدیق اُس دن تمہاری ہاتی کی کُشتی سے بھی ہوگئی ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم تمہاری اس بہادری کو بھی دیکھ کر خوش ہوں۔

علی قلی ۔حضور کا ارشاد بالکل درست ہے فدوی ایک شیر کیا دس

شیروں سے بغیر برچھی بھالے کے لڑ سکتا ہے حضور کا اقبال درکار ہے
اسے پنجرہ میں سے نکلوایا جائے۔

فراق دہلوی۔ جو لوگ اکبر آباد اور وہاں کی عمارتیں دیکھ آئے ہیں۔
انہیں معلوم ہے اور انھوں نے دیکھ لیا ہے کہ اکبر آباد کے قلعہ میں جمنا
کی طرف جو شاہی ایوان کی چھت ہے جس پر سنگ موسیٰ کا تخت
بچھا ہوا ہے اور اُس کے چاروں طرف نورالدین جہانگیر کی تعریف میں
اشعار کندہ ہیں اسی تخت کے نیچے خندق میں سنگ سُرخ کا بہت گہرا
ایک کنواں بنا ہوا ہے اور اُس کنوئیں میں لوہے کا ایک پھاٹک لگا
ہوا ہے جب بادشاہ سلامت شیروں یا چیتوں کی لڑائی دیکھتے تھے
تو اس کنوئیں میں شیر یا چیتے پھاٹک کے ذریعہ سے پہنچا دیئے جاتے تھے
اور پھاٹک بند کر دیا جاتا تھا اس کا نام کشتی خانہ ہے یہ کشتی خانہ اتنا
عمیق بنا ہوا ہے کہ اس میں سے شیر جست کر کے اوپر نہیں آسکتا ہے
اِس لئے جلال الدین اکبر اور جہانگیر قلعہ معلیٰ میں تخت پر بیٹھے بیٹھے شیروں

کی کشتی بہت اطمینان سے دیکھا کرتے تھے کیونکہ نصیب دشمنان بادشاہ
کی جان کے لئے کوئی جوکھوں کی نہ تھی۔ علی قلی خاں شیر دل بے تکلف
اُس کشتی خانہ میں گھس گیا اور کہا شیر کو اس کے اندر گھسا دو قرادل شیر
کے پنجرہ کو گھسیٹ کر کشتی خانہ کے پھاٹک تک لے گئے اور پنجرہ کی
کھڑکی پھاٹک سے لگا کر کھول دی شیر نے جو دیکھا کہ سامنے آدمی
کھڑا ہے تو وہ پنجرہ سے نکل کر علی قلی کی طرف لپکا اور ادھر قرادلوں نے
جھپ سے کشتی خانہ کا دروازہ بند کر دیا۔ شیر وہ بلا ہے کہ جنگل میں اگر
وہ نظر آجائے تو جوتیاں ڈھیلی ہو جاتی ہیں اور بڑے بڑے بہادر بدحواس
ہو جاتے ہیں مگر علی قلی خدا جانے کس زور وقوت کا انسان تھا جس نے
بے کھانڈہ بے تلوار کے شیر کو مار کر اُس کا دم نکال دیا اور کشتی خانہ سے
نکل کر شاہنشاہ کو آداب بجا لایا حضور والا نے اُسی وقت ایک خلعت
عنایت فرمایا اور شیر افگن خان خطاب دیا گو سارے شہر میں شیر افگن
خان کی واہ واہ ہو رہی تھی مگر شیر افگن خان کا خون خشک ہوا جاتا تھا

وہ سمجھ گیا تھا کہ اگر میں چند روز اور اکبرآباد میں رہا تو بادشاہ سلامت کسی نہ کسی بہانہ سے مجھے ضرور ہلاک کروا دیں گے اس واسطے اس نے حیلہ بہانہ کر کے بادشاہ سے رخصت لے لی اور اپنے بال بچوں کو لیکر بروان چلا گیا جان بچی لاکھوں پائے۔

نویں جھلک

اب سین احمد آباد گجرات میں ہے

نورالدین جہانگیر شاہنشاہ اپنی ولی عہدی کے وقت میں بھی گجرات کی سیر کر چکے ہیں اور انہیں اس لئے یہ خطہ اور پسند ہے کہ یہاں ہاتیوں کا شکار خوب ہوتا ہے دارالخلافہ اکبرآباد سے منزل بمنزل کوچ کرتے ہوئے پہلے حضور والا بندر کھنبایت پہنچے سمندر کی سیر کی وہاں سے پلٹ کر احمد آباد پہنچے گجرات میں بیرم خاں خانخاناں کی پوتی اور عبدالرحیم خان خاناں کی

بیٹی خیر النساء بیگم اپنی جاگیر پر رہتی تھیں جب حضور والا سمندر کی سیر سے
احمد آباد پہنچے تو خیر النساء بیگم صدقہ کے لئے کئی خوان اشرفیوں اور روپؤں
کے لیکر محل میں حاضر ہوئیں خواجہ سرا نے حضور کو اطلاع کی تو حضور والا محل
میں تشریف لائے خیر النسا نے آگے بڑھ کر آداب کیا اور دونوں ہات
بلائیں لینے کے لئے بادشاہ کی طرف بڑھائے جہانگیر نے اپنا سر اُنکے
آگے جھکا دیا جب وہ بلائیں لے چکیں تو بادشاہ مسند پر بیٹھ گئے اور خیر النسأ
سے کہا آپ بھی میرے برابر بیٹھیں۔

خیر النسا۔ حضور جو قرینہ لونڈی کے باپ دادا کا ہے اُسے کیونکر چھوڑ سکتی
ہے لونڈی کا حضور کے آگے دست بستہ کھڑا ہونا کیا کم عزت ہے۔

بادشاہ سلامت۔ توبہ توبہ آپ کیا فرماتی ہیں جب بیرم خان خانخاناں
شہید کو حضرت عرش آشیانی خان بابا کہتے تھے تو آپ کے والد بزرگوار
میرزا عبدالرحیم خان میرے بھائی ہوئے اور آپ اُن کی صاحبزادی ہیں
تو میری بھتیجی ہوئیں مگر عمر میں آپ مجھ سے کہیں بڑی ہیں اِس لئے مجھے

آپ کا ادب ضرور ہے۔

خیرالنسار۔ حضور کی عزت افزائی ورنہ ایاز قدر خود بشناس آقا دو برس کا اور غلام سو برس کا جہاں پناہ یہ تو فرمائیں کہ احمد آباد میں سلامتی سے قیام کب تک رہے گا۔

بادشاہ سلامت۔ ابھی تو میں یہاں بہت دن رہونگا وحدہ پر جا کر راتیوں کا شکار کرنا ہے آپ فرمایئے۔

خیرالنسار۔ باوا جان نے جب احمد آباد سے تین کوس باہر دریائے سابرمتی پر سرخیز کے پاس مظفر کو شکست دی تو خاص اُس مقام پر جہاں گھمسان کا رن پڑا تھا ایک باغ بنایا اور اُس کا نام فتح باغ رکھا وہ باغ حضور والا کی دعا سے اب تک سرسبز ہے لونڈی کی تمنا ہے کہ حضور والا اُس باغ میں قدم رنجہ فرما کر اُسے غیرت فردوس بنائیں اور اُس کی بارہ دری میں بیٹھ کر لونڈی کے گھر کا دال دلیہ نوش فرما کر ہم چشموں میں عزت بخشیں۔

بادشاہ سلامت۔ ہنس کر نیکی اور پوچھ پوچھ یوں تو روز ہی خاصہ پر

قسم قسم کے کھانے ہوتے ہیں مگر آپکے ترکمانی کھانے کھا کر جی زیادہ خوش ہوگا

خیر النسار۔ لونڈی کس قابل ہے یہ سب آقا کی نوازش ہے۔

بادشاہ سلامت۔ تو بس ہم اور دو ایک مصاحب آجائیں گے۔

خیر النسار۔ نہیں حضور بلکہ حضور کے سارے لشکر کی ادنےٰ اعلےٰ سے لیکر حیوانوں کی بھی دعوت ہے ہاتی گھوڑے بھی لونڈی کے گھر کا راتب کھائینگے

اس بات کو سُنکر جہانگیر نے کچھ جواب نہ دیا اور وہ دیر تک سوچتے رہے آنکھ اُٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا خیر النسار رو رہی ہیں۔

بادشاہ سلامت۔ ہیں ہیں آپ روتی کیوں ہیں ہیں ہیں تو اس خیال میں تھا کہ اس قدر تکلیف کرنے کی ضرورت کیا ہے اگر آپ کی خوشی یہی ہے تو مجھے منظور ہے۔

خیر النسار۔ آداب بجا لاتی ہوں خداوندِ نعمت اول تو ہمارے پاس ہے کیا اور جو کچھ ہے وہ آپ کا اور آپ کے بزرگوں کا دیا ہوا ہے۔ البتہ اس قدر دانی سے لونڈی اور لونڈی کے خاندان کی عزت از سرِ نو

تازہ ہوجائے گی اچھا تو پرسوں حضور فتح باغ میں تشریف فرما ہوں اور
ایک ہفتہ تک مع بیگمات اور لاؤ لشکر کے وہاں ٹھیریں۔
بادشاہ سلامت۔ میں نے تو کہدیا کہ جو آپ کی خوشی مگر اس میں
کسی قدر آپ کو زحمت ضرور پہنچے گی۔
خیر النسا۔ حضور کا ہات لونڈی کے سر پر ہے تو لونڈی کو رتی بھر
تکلیف نہیں پہنچے گی۔ یہ کہکر خیر النسا رخصت ہوئی اور جہاں پناہ باہر
تشریف لائے تو دیکھا قلیچ خان صوبہ دار گجرات بایزید خان دیوان
مرتضی خان جہانگیر قلی خان اعظم کا بیٹا اور عبد اللہ خان فیروز جنگ
اور خواجہ نواب قطب الدین کوکہ فتح پور ہی حاضر ہیں۔
بادشاہ سلامت۔ بھائی قطب الدین خان آپ نے سُنا خانخاناں
کی بیٹی خیر النسا محل میں آئی تھی اور ہماری مع لشکر اور لشکر کے
ہاتی گھوڑوں تک کی دعوت کر گئی ہے اور دعوت بھی ایک ہفتہ کی۔
کس طبیعت اور حوصلہ کی عورت ہے۔

نواب قطب الدین خان ۔ حضور والا آخر ہے کس دادا کی پوتی اور کِس باپ کی بیٹی ۔

خان فیروز جنگ ۔ کوکہ صاحب نے جو کچھ فرمایا وہ بجا ہے مگر حضور چاند میں ساری روشنی آفتاب کی بخشی ہوئی ہوتی ہے ۔ دن میں اُسے دیکھئے تو آسمان پر ایک ٹھیکرہ دکھائی دیتا ہے ۔ اُس کے پاس جو کچھ ہے وہ حضور کے قدموں کا صدقہ ہے ۔

قلیچ خان ۔ اِس میں شک کیا ہے مگر فی الواقع وہ بڑی مُدبّرہ ہے جاگیر کا اُس نے وہ بندوبست کیا ہے کہ کیا بھلا مرد کر سکے گا حضور والا دیکھیں گے وہ دعوت میں کیا سلیقہ دکھائے گی بادشاہ سلامت جو تیسرے دن فتح باغ پہنچے تو دیکھا دو کوس کے دَور میں سورت اور احمد آباد کی کم خواب اور زربفت اور مخمل کے زرنگار خیمہ مہمانوں کیلئے برپا ہیں اور ہر مہمان کا نام جدا جدا خیموں پر اتنے بڑے بڑے حرفوں میں لکھا ہوا ہے کہ پچاس قدم سے اندھا بھی پڑھ لے کسی سے پوچھنے گچھنے

کی حاجت نہیں اپنا نام پڑھے اور خیمہ میں تشریف لے جائیے ہر خیمہ میں چھپر کھٹ اُن پر بچھونے تکیہ غسل خانہ کا خیمہ الگ صحت خانہ کا خیمہ الگ روشنی خانہ کا خیمہ الگ ہر شئے کا اِنتظام ہے۔

بادشاہ سلامت۔ بھائی قطب الدین خان سالے کہ نکوست از بہارش پیداست جب باغ کے باہر اس عورت نے یہ اِنتظام کیا ہے تو خدا جانے باغ کے اندر کیا کچھ کارستانی کی ہو گی۔

نواب قطب الدین خان حضور کا فرمانا بالکل درست ہے۔

بادشاہ سلامت باغ کے دروازہ پر پہنچے تو دربان نے ہات باندھ کر کہا ظل اللہ باغ کے دو حصہ ہیں ایک زنانہ ہے ایک مرانہ ہے اور دونوں حصہ بالکل الگ الگ ہیں۔ اِس دروازہ سے حضور مع اپنے مصاحبین کے مردانہ میں رونق افروز ہو سکتے ہیں اور اس دروازہ سے زنانہ میں بیگمات پہلے سے پہنچ گئیں ہیں بادشاہ سلامت نے دیکھا کہ زنانی ڈھیوڑی پر گجراتی عورتیں تلواروں سے پہرا دے

رہی ہیں بادشاہ سلامت نواب قطب الدین خان اور مع سب مصاحبوں کے مردانہ باغ میں پہنچے تو معلوم ہوا بہشت بریں میں آگئے ہر موسم کے پھول پھل درختوں میں موجود تھے اور پتوں کی سبزی پھل پھولوں کی رنگینی آنکھوں میں کھُبی جاتی تھی۔

بادشاہ سلامت ۔ بھئی قطب الدین خان یہ کیا طلسمات ہے۔ ہیں سردی گرمی ہر موسم کے پھول پھل اس باغ میں مہیا ہیں اور میوہ بھی ٹہنیوں میں لٹک رہے ہیں۔

خان فیروز جنگ ۔ سبحان اللہ کیا جادو سے کام لیا ہے۔

بادشاہ سلامت کو تاب نہ ہوئی رنگتروں کی طرف ہمیشہ آپ کی رغبت رہتی تھی ایک درخت میں کچے پکے کچھ سبز کچھ زرد کچھ سُرخ رنگ کے رنگترہ لٹک رہے تھے اور ٹہنیاں مارے بوجھ کے جُھک کر زمین کی طرف مائل ہو رہی تھیں خود دست مبارک بڑھا کر دو تین رنگترہ توڑے اور خود ہی چھیلنا چاہا اب معلوم ہوا کہ وہ موم کے بنے ہوئے ہیں

بادشاہ سلامت نے مڑ کر دیکھا تو باغ کے مہتمم نے ہات باندھ کر کہا۔ خداوندیہ خزاں کا موسم ہے پھل پھول کہاں اس وقت تو باغ میں ہرا پتّہ بھی کسی درخت کی ٹہنی پر نہیں ہے ان درختوں میں کیا پھل کیا پھول کیا غنچہ کیا شگوفہ سب مصنوعی ہیں کچھ کاغذ کے ہیں کچھ کپڑہ کے ہیں کچھ موم کے ہیں کچھ مٹی کے ہیں کچھ اور مصالحوں کے ہیں چونکہ حضور والا کی دعوت باغ میں کرنی تھی اور باغ میں خزاں تھی اس لئے گجرات کے کاریگروں کو بلواکر یہ سب سامان بنوایا گیا ہے۔

بادشاہ سلامت۔ واللہ باللہ خیر النساء مرد ہوتی تو وزارت کے قابل تھی بھئی عجب سلیقہ دکھایا ہے خیر اس سلیقہ کا میں صلہ بھی ایسا دونگا کہ اُس کی سات سات پشتیں یاد کریں گی اچھا بھائی قطب الدین خان ہم اور آپ باغ کی سیر کریں اور سب صاحب بارہ دری میں بیٹھیں ہم ابھی آتے ہیں سب درباری جانتے تھے کہ حضور والا کو شراب کی لت سے ذرا دیر ہو جاتی ہے تو مزاج بگڑ جاتا ہے اِسلئے

اداشناس تو پہلے ہی ٹھٹک گئے تھے رہے سہے اس کہنے سے سرک گئے صرف نواب قطب الدین خاں رہ گئے کیونکہ اُن سے کچھ پردہ نہ تھا دوسرے بادشاہ نے اُن کا ہات اپنے ہات میں مضبوط پکڑ رکھا تھا پیچھے ایک خدمتگار رہ گیا جس کی بغل میں غلاف کے اندر چھپی ہوئی مینا تھی اور اُس کی جیب میں پیالی اُس نے فوراً اونڈیل کر پیش کی اور پادشاہ سلامت نے کھڑے کھڑے نوش فرمالی اور خدمتگار سے کہا اچھا تم حوض پر حاضر رہو جب ہم بلائیں تو آجانا یہ کہکر بادشاہ سلامت نواب قطب الدین خان کا ہات پکڑ کر آگے چل دیئے اور خراماں خراماں دوسرے تختہ میں پہنچ گئے یہاں ایک گول چبوترہ بنا ہوا تھا اُس کے چاروں طرف گملوں میں رنگین پھول اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ اور بیچ بیچ چبوترہ پہ ایک تخت سنگ مرمر کا اور تخت پر مسند گاؤتکیہ لگا ہوا تھا بادشاہ سلامت مسند پر بیٹھ گئے اور قطب الدین خان کو بھی اپنے پہلو میں بٹھالیا۔

بادشاہ سلامت۔ خدا کا شکر ہے آج بھائی بھائی مدت کے بعد مل کر بیٹھے ہیں کیوں بھائی قطب الدین خان میں شرع شریف کے بموجب آپ کا سگا بھائی نہیں ہوا۔

نواب قطب الدین خان۔ کیوں نہیں جب آپ نے میری والدہ ماجدہ کا دُودھ پیا تو آپ ضرور میرے سگے بھائی ہوئے۔

بادشاہ سلامت۔ تو حضرت سلیم چشتی جس طرح آپ کے نانا ہوئے میرے بھی نانا ہوئے۔

نواب قطب الدین خان۔ بیشک۔

بادشاہ سلامت۔ حضرت مجھے شیخوجی نہیں کہتے تھے؟

نواب قطب الدین خان۔ ضرور کہتے تھے۔

بادشاہ سلامت۔ تو پھر میرا آپ کا رشتہ بالکل ایک ہوا۔

نواب قطب الدین خان۔ اِس سے کس کافر کو انکار ہے۔

بادشاہ سلامت۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ سیدھے رستہ پر پڑ لئے

کیوں بھائی جب میں تمہارا سچ مچ سگا بھائی ہوں تو تم نے آج تک اپنے بھائی کی بپتا پر توجہ نہ کی اللہ غنی تمہاری بیرحمی کیسا شکار اور کیسی گجرات کی سیر اپنی وحشت مزاج کو دبانے چلا آیا ہوں خیر بھائی قطب الدین خان ہَں تو چند روز میں گھُل گھُل کر اور سِسک سِسک کے مر ہی جاؤں گا۔ مگر قیامت میں تمہارا گریبان اور میرا ہات ہوگا۔

نواب قطب الدین خان ـ یا اللہ حضور تمہید کو اس قدر طول دے رہے ہیں مگر مُدعا کچھ نہیں سمجھاتے کیا آج ایک ہی پیالہ میں بدمستی کی نوبت پہنچی۔

بادشاہ سلامت ـ بھائی آپ کے سر کی قسم مجھے تو دس پیالہ پی کر بھی بدمستی نہیں ہوتی یہ بیماری تو کم ظرفوں کی ہے۔ نہیں نہیں واللہ باللہ مَیں بالکل ہوش میں ہوں اور جو کچھ آپ سے کہہ رہا ہوں وہ ٹھیک ٹھیک کہہ رہا ہوں۔

نواب قطب الدین خان ـ آخر فرمایئے تو سہی آپ کے دشمنوں پر کیا بپتا پڑی ہے۔

بادشاہ سلامت۔ میں کچی گولیوں نہیں کھیلا ہوں جب تک آپ میرے سر پر ہات رکھ کر قسم نہیں کھائیں گے اور یہ نہیں کہیں گے کہ جو سلیم کہے گا وہی میں کروں گا میں ہرگز ہرگز اپنا مطلب آپ پے ظاہر نہیں کرنیکا

نواب قطب الدین خان۔ جو آپ کی خوشی میں آپ کے سر پر ہات دھر کر کہتا ہوں کہ جو آپ فرمائیں گے میں دل وجان سے اُسے بجا لاؤنگا

بادشاہ سلامت۔ اب میرے دل کو تسلی ہوئی اصل بات یہ ہے مہرالنسا کی محبت کا تیر میرے دل میں ایسا بیٹھا ہے کہ آج برسوں ہونے آئے اپنی جگہ سے تِل بھر نہیں سرکا ہے ؎

کوئی میرے دل سے پُوچھے تیرے تیرِ نیمکش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

میرے محل میں بیگمیں رانیاں خطا وختن کی گلرو سمن پور لونڈیاں موجود ہیں مگر اُس کا خیال سب پر غالب ہے۔ حضرت عرش آشیانی کے دباؤ سے میں نے اُف نہیں کی مگر جس دن سے حضرت نے عالمِ بقا کی طرف

رحلت کی ہے میرے دل کی چوٹ اُبھر آئی ہے آج دنیا میں میرے لئے آپ سے زیادہ کوئی ہمدرد نہیں ہے آپ برائے خدا کوئی ایسی تدبیر نکالئے کہ وہ کافر میرے پاس آجائے۔

قطب الدین خان ۔ مجھے سخت تعجب ہے کہ آپ جیسا عاقل بادشاہ ہوکر ایسی ذلیل باتیں منہ سے نکالے اول تو آپ اپنی عمر کو دیکھئے۔ خدا رکھے جوان جوان اولاد موجود ہے بوڑھے منہ مُہاسے لوگ آئے تماشہ پر جسے آپ چاہتے ہیں وہ کیا آپ سے عمر میں کم ہے عورت بیبی سوکھیسی اور طرہ یہ کہ جنتی بیاتی عورت بال بچوں والی ؎

معشوق بچہ کش سے تو سفلی خدا بچائے
کیا انتشار ہوتا ہے کل بِل کو دیکھ کر

اور ایرانی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

لبِ گزیدۂ اغیار من نمی خواہم
عقیق کندہ نیام اگرچہ کار آید

باسی کلیوں کی طرف مُرجھائے پھولوں کی جانب کسی کے دسترخوان کی جھونٹ پر ایک پاکیزہ مزاج کی رغبت تو ہو نہیں سکتی ؎

چوں پیر شدی حافظ ازمیکدہ بیروں شو
رندی وہوس ناکی در عہدِ شباب اولیٰ

بادشاہ سلامت ۔ خواجہ حافظ کے اس مقطع کا جواب مولانا جامی نے خوب دیا ہے ؎

چوں پیر شدی جامی درمیکدہ مسکن کُن
کایں علّتِ پیری را خُم ہائے شراب اولیٰ

آپ نے جو کچھ اونچ نیچ اس کوچہ کی مجھے دکھائی ہے وہ میں سب جانتا ہوں مگر ؎

من نبودم مرد سودائی و لے
باقضائے آسمانی چوں کنم

میرا دل قابو سے بے قابو ہے میری راتوں کی نیند اُڑ گئی ہے میرے دل کا

چین اُٹھ گیا ہے میں نے اپنے دردِ دل کا علاج خود بھی کرنا چاہا مگر راس نہ آیا علی قلی کو ایک بار ہاتی سے ایک بار شیر سے بھڑا دیا کہ اُس کا کام تمام ہو جائے اور مہرالنساء عدت کے دن پورے کر کے میرے محل میں آ جائے مگر جسے خدا رکھے اُسے کون چکھے نہ ہاتی نے اُس کا بال بیکا کیا نہ شیر نے۔ لاچار ہو کر آپ کو تکلیف دیتا ہوں آپ اس کام کا بیڑا اُٹھایئے۔

نواب قطب الدین خان ۔ جو حضور کی خوشی مجھے جو حکم ملے گا۔ اُس کی دل و جان سے تعمیل کروں گا۔

بادشاہ سلامت ۔ حکم تو نوکروں کو ملا کرتا ہے آپ تو میرے بھائی ہیں اور قوتِ بازو اِس لئے میں بے تکلف عرض کرتا ہوں کہ آپ بنگالہ چلے جایئے کیونکہ جس دن سے امیر ابوالعلا خان نے بنگالہ کی نظامت کو چھوڑا ہے نائب کام چلا رہا ہے مگر وہاں ایک شاندار ناظم کی ضرورت ہے اِس لئے آپ بردوان میں جا کر رہیئے جو بنگالہ کا صدر مقام ہے۔ وہیں علی قلی بھی موجود ہے ایک پنتھ دو کاج ہو جائیں گے آپ اُسے شیشہ میں

اُتاریں گے پر چالیں گے۔

نواب قطب الدین خان ۔ مجھے بنگالہ جانے سے اصلا انکار نہیں ہے میں حضور کے اقبال سے وہاں کا انتظام بھی اچھی طرح کر لوں گا مگر مجھے یہ امید نہیں ہے کہ علی قلی بہلائے پھسلائے میں آجائے گا اور اپنی جورو سے ہات اُٹھائے گا اور وہ تو ایک شریف آدمی ہے اس ننگ کو تو دنیا میں کوئی ذلیل سے ذلیل آدمی بھی گوارا نہیں کر سکتا ہے۔

بادشاہ سلامت ۔ یہ آپ کا کہنا بالکل سچ ہے سیدھی انگلیوں کبھی گھی نہیں نکلتا ہے تقریر سے کام نہ چلے تو آپ کی کمر میں شمشیر بھی بندھی ہوئی ہے۔

نواب قطب الدین خان ۔ بہت خوب۔

بادشاہ سلامت ۔ تو یہاں سے آپ کل ہی چلے جائیں۔

نواب قطب الدین خان ۔ بہت اچھا مگر میں فتح پور سیکری اور بدایوں ہوتا ہوا بردوان جاؤں گا۔

بادشاہ سلامت۔ ضرور آپ گھر ہوتے جائیے مگر زیادہ نہ ٹھہریئے گا

دسویں جھلک

رہے گا کوئی تو تیغِ ستم کے یادگاروں میں
مِرے لاشہ کے ٹکڑے دفن کرنا سو مزاروں میں

نواب قطب الدین خان عرش آشیانی کے عہد میں بہار کے صوبہ دار تھے اب اُنہیں نورالدین جہانگیر نے منصب پنجہزاری ذات اور خلعت خاص سے جس کے اندر خاصہ کا گھوڑا با زین مرصع اور شمشیر آبدار بھی شامل تھی عنایت فرمایا ہے اور بنگالہ کا صوبہ دار کر دیا ہے یہ وہ منصب عالی ہے جس میں منصب دار کو پچاس ہزار فوج رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے نواب قطب الدین خان بہادر گجرات سے سیدھے فتح پور سیکری آئے اور جب اپنے نانا جان حضرت سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ

کے مزار پُرانوار پر فاتحہ پڑھنے گئے تو اُن کی آنکھوں سے بے اختیار
آنسو بہنے لگے۔ یہ سعادت حاصل کر چکے تو بدایوں کو چل دیئے کیونکہ بادشاہ
جہانگیر نے قصبہ بدایوں سے متصل چار ہزار بیگہ زمین نواب قطب الدین خان
صاحب کو بطور جاگیر عنایت کی تھی اور نواب عالی قدر نے اُس زمین پر
شیخوپورہ جہانگیر کے پُرانے لقب پر آباد کیا تھا کیونکہ حضرت سلیم چشتی اور
جلال الدین اکبر جہانگیر کو شیخوجی کہا کرتے تھے نواب ممدوح نے شیخوپورہ
میں ایک شاندار قلعہ اور ایک عالی شان مقبرہ بھی بنوایا تھا اور اپنی جاگیر کا
صدر مقام شیخوپورہ ہی ٹھیرایا تھا منشا یہ تھا کہ قلعہ میں مع اپنے اہل و عیال
کے ہنسی خوشی زندگانی بسر کریں گے اور مقبرہ میں مرنے کے بعد چین سے
آرام کریں گے نواب قطب الدین خان صاحب نے حضرت سلیم چشتی کے
تمام تبرک بھی شیخوپورہ میں لیجا کر رکھے تھے اور اُن کے لئے ایک درگاہ
بنائی تھی تاکہ خاندان چشتیہ کی یادگار قائم رہے چنانچہ اب تک شیخوپورہ
میں نواب قطب الدین خان صاحب کی ذریات اور وہ تمام تبرکات موجود

ہیں اور فقیر فراق اُس مقام کو بالقصد جاکر دیکھ آیا ہے نواب قطب الدین خان صاحب
جب شیخو پورہ سے چلے تو شیخو پور کے ادنیٰ اعلیٰ آدمیوں سے ملے اور کہا بھئی
زندگی کا کچھ اعتبار نہیں ہے ہمارا کہا سُنا معاف کرنا وہ کیا وقت تھا
جس میں نہ ریل تھی نہ موٹر کار اور اُس زمانہ کے آدمی کیا عالی ہمت تھے جو
سردی گرمی دھوپ چھاؤں برسات ندی نالوں کی کچھ پروا نہ کرتے تھے
اور ہر موسم میں منزل بمنزل مہینوں کوچ کرتے تھے اور اُن کے دل نہ اُکتاتے
تھے مانا کہ امیر رئیس پینس پالکیوں میں سفر کرتے تھے اچھے اچھے خیموں میں رات
بسر کرتے تھے مگر سفر اور سقر کی ایک صورت ہے پھر بھی ہزار مشکلیں اور
لاکھ مصیبتیں چلنے والے کی جان کے لئے تھیں۔ دلی آگرہ سے (خدا
جھوٹ نہ بلوائے) بردوان دو مہینہ کا رستہ ہے نواب قطب الدین خان
ابھی بردوان میں نہ داخل ہوئے تھے جو مہینہ بھر پہلے سے بردوان اور تمام
علاقہ میں ہل چل مچ رہی تھی لوگ کہتے تھے نواب قطب الدین بادشاہ سلامت
کے بھائی ہیں اُن کا بردوان میں صوبہ دار ہو کر آنا گویا خود بادشاہ سلامت کا

تشریف لانا ہے دیکھنا کس دھوم سے پہنچیں گے مہرالنسا اور شیرافگن خان کو اپنی فکر تھی کیونکہ ہاتی اور شیر سے لڑوانا خالی از علت نہ تھا آخر کار نواب صوبہ دار بہادر بردوان میں پہنچ گئے۔ پچیس ہزار سوار رکاب میں تھے کوسوں میں چھاؤنی پڑ گئی اور خود بدولت نے بردوان کے قلعہ میں رہنا پسند کیا جو شہر سے کسی قدر دور تھا دوسرے دن دربار ہوا پھر سمجھ لیجئے بادشاہ سلامت کے بھائی کا دربار تھا اس رونق کا دربار کیا کہ اکبر کا دربار یاد آگیا شیرافگن خان شہر سے متصل ایک باغ میں رہتا تھا دربار میں شیرافگن خان کو بھی جانا پڑا ۔ ع

نین نین کے جات ہیں نین نین کے ہیت
نین نین سے ملت ہی نین رین کہد بیت

صوبہ دار صاحب کی اور شیرافگن خان کی بات چیت ہوئی مگر دلوں کا مالک اللہ تھا شیرافگن خان مجرا اُتار کر اپنے گھر چلا آیا۔ اور آس نے آتے ہی مہرالنسار سے کہا بیگم خدا خیر کرے صوبہ دار صاحب کے تیور اچھے نہیں ہیں مہرالنسار نے یہ بات سُنکر ایک آہ کی اور کچھ اُس کی زبان سے

نہ نکلا اس بے لطفی کے آنے جانے میں ایک مہینہ گزر گیا۔ ایک دن
صوبیدار صاحب نے کہا شیر افگن خان صاحب مجھے کروڑیوں نے اطلاع
دی ہے کہ آپ اپنی جاگیر کے کاشتکاروں کے سات سختی برتتے ہیں
حضرت یہ اکبری دور نہیں ہے یہ جہانگیری وقت ہے رعایا پر سختی کسی طرح
مناسب نہیں ہے۔

شیر افگن خان جس کسی نے آپ سے میری شکایت کی ہے محض
تہمت ہے ذرا اُس کروڑی کو میرے سامنے بلوایئے صوبیدار صاحب تو
لڑائی کے گھات تھے اس لئے وہ ناحق و ناروا گفتگو کر رہے تھے
شیر افگن خان کے اس کہنے پر منہ بگاڑ کر چپ ہو گئے اس تلخی میں ایک
مہینہ اور گزر گیا اور شیر افگن خان کو صوبیدار صاحب کی طرف سے پوری
بدگمانی ہوگئی وہ جب صوبہ دار صاحب سے ملنے آتا تو مسلح آتا ایکدن
صبح ہی شیر افگن خان صوبہ دار صاحب کے بلائے پہنچے تو دیکھا صوبدار
صاحب دیوان خانہ میں اکیلے بیٹھے ہیں۔

صوبہ دار صاحب۔ آئیے آئیے یہاں تشریف لائیے شیر افگن خان بیٹھا مگر نہایت ہوشیار چوکس۔

صوبہ دار صاحب۔ مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔

شیر افگن خان۔ فرمایئے۔

صوبہ دار صاحب۔ آپ معاف کیجئے گا میں بادشاہ سلامت کا ایک پیغام لایا ہوں آپ کو پہنچانا چاہتا ہوں۔

شیر افگن خان۔ ارشاد کیجئے۔

صوبہ دار صاحب۔ حضور والا نے فرمایا ہے علی قلی سے کہنا آدمی اپنی اصلیت کو نہ بھولے تمہاری اوقات یہ تھی کہ بادشاہ ایران کے باورچیخانہ میں داروغہ تھے اور وہاں پڑے پڑے مکھیاں مارا کرتے تھے ہندوستان میں آکر خانخاناں کے ٹکڑوں پر پڑے رہے خدا عرش آشیانی کا بھلا کرے جنہوں نے تمہیں بھاگ لگائے اور جاگیر عنایت فرمائی۔ ہماری نظر عاطفت بھی تم پر اب تک مبذول ہے اسی وجہ سے ہم نے تمہیں شیر افگن خان کا

خطاب دیا اور خلعتِ خاص مرحمت فرمایا تمہیں لازم ہے کہ ہمارے حق نمک کو نہ بھولو اور ہماری اطاعت اپنے لئے فرض سمجھو تم یہ بھی جانتے ہو کہ مہر النسار کے اوپر سب سے پہلے ہماری ہی نظر پڑی ہے اس لئے وہ درحقیقت ہماری ہی مطلوبہ اور محبوبہ ہے تاہم تم اُسے اپنے تصرّف میں ایک مُدّت تک لائے ہو مگر خیر تم بغیر سمجھائے اس معاملہ کو نہیں سمجھے تو تم پر چنداں اعتراض بھی نہیں ہے مگر جب تمہیں یہ امر جتا دیا گیا تو تمہیں لازم ہے کہ حدِ ادب سے نہ بڑھو اور مہر النسا کو ہنسی خوشی ہمارے پاس بھیج دو ورنہ تم جانتے ہو بادشاہوں کا غصہ بے پناہ ہوتا ہے۔

شیر افگن خان ۔واہ جناب صوبہ دار صاحب مَیں تو سمجھا تھا آپ ملکی انتظام کے لئے یہاں بھیجے گئے ہیں مگر معلوم ہوا کہ آپ بادشاہ کے بن کر آئے ہیں افسوس آپ نے اس منصب اور دُنیاوی مال و دولت کے پیچھے اپنے بزرگوں کے چال چلن کو بالکل بھلا دیا آپ سوچئے کس کے تو آپ پوتے ہیں اور کس کے نواسہ کہلاتے ہیں اور

کس خاندان میں سے ہیں میاں قطب الدین سچ کہنا بادشاہ کی طبیعت اگر
کسی اور خاندانی شخص کی منکوحہ کی طرف راغب ہو جاتی اور اُسے یہ پیغام
سُنایا جاتا تو وہ اسے قبول کر لیتا میرے نزدیک تو اس کا جواب وہ زبانِ شمشیر
سے دیتا صوبہ دار صاحب کو یہ گمان تھا کہ جب میں شیر افگن خان کو
اعلیٰ حضرت کا حکم سُناؤں گا تو وہ ڈر کے مارے تھرا اُٹھے گا اور کہے گا
کہ بہت اچھا میری جورو کو بادشاہ کے پاس بھیج دیجئے مگر وہ ایک غیرتمند
آدمی تھا صوبہ دار صاحب کی بات سُنتے ہی وہ تلوار ٹیک کر کھڑا ہو گیا
نواب قطب الدین خان بھی ایک دلیر شخص تھے مگر قضا نے اُن کے پاؤں
پکڑ لیے تخلیہ کے لحاظ سے انہوں نے اپنے خدمتگاروں کو بھی دور کر دیا
تھا تاہم اُنہوں نے پُکارا بھی کوئی ہے ادھر آؤ مگر گلے کو موت نے دبا لیا
حلق میں اُلجھ لگا آواز نکلی مگر نوکروں تک نہ پہنچی اِتنی دیر میں شیر افگن خان
نے صوبہ دار صاحب کو قتل کر کے پارہ پارہ کر ڈالا جب وہ خونچکاں تلوار
لیکر کمرہ سے باہر نِکلا تو لوگ دوڑے اور صوبہ دار صاحب کی لاش کو دیکھ کر

شیر افگن خان پر حملہ آور ہوئے مگر شیر افگن خان وہ بہادر اور بے جگر شخص
تھا جس نے ہاتی اور شیر کو بے ہتیار کے خاک و خون میں ملا دیا تھا
چند سپاہی اُس سے کیا مقابلہ کر سکتے تھے اُس نے سب کو تلوار کے
گھاٹ اُتارا اور آپ اپنے مکان کو چلا جب یہ شہر کے قریب پہنچ لیا تو
قطب الدین خان صاحب کے رسالہ کے ایک افسر نے مع چند سواروں
کے اس کا پیچھا کیا یہ اپنی حویلی کے احاطہ میں داخل ہو چکا تھا جو رسالہ
کا افسر اور اُس کے ہمراہی آن پہنچے افسر نے اپنے ماتحتوں سے کہا دیکھتے
کیا ہو اس بدبخت نے بادشاہ کے بھائی کو قتل کیا ہے تم اسے پُرزہ پُرزہ
کر ڈالو شیر افگن خان زنانی ڈھیوڑی تک پہنچ لیا تھا مگر ڈھیوڑی کا دروازہ
لونڈیوں نے ڈر کے مارے بند کر لیا تھا کیونکہ شور و غل سنکر ساری زنانی
حویلی کانپ رہی تھی شیر افگن خان حریف کی آواز سن کر پلٹا اُس کے ہات
میں وہی تلوار اب تک موجود تھی جس سے صوبہ دار صاحب کو ہلاک کر چکا تھا
مگر اکیلا کس کس کا مقابلہ کرتا بہت سے بلم اور برچھیاں اس کے سینہ میں

لگ کر پار ہوگئیں۔ یہ لڑکھڑا کر خاک پر گرا پھر کیا تھا ایک شیر افگن خان کے پچاس شیر افگن خان ہو گئے۔ اَنگنت تلواریں پڑیں جنہوں نے ریزہ ریزہ کر دیا اس قیامت خیز مصیبت کو دیکھ کر مہر النساء پردہ سے نکل آئی اور شیر افگن خان کی لاش کے سرہانے کھڑے ہو کر اُس نے پیٹنا شروع کیا۔ اُس کے بیانوں سے پتھر کا جگر پانی ہوا جاتا تھا وہ بار بار کہتی تھی اے میرے وارث اس بندی کو تو کس پر چھوڑ گیا اب میں کس کی ہو کر رہوں گی ہائے اس پردیس میں وہ بندی لُٹ گئی اُس کے پاس ہی اُس کی لڑکی کھڑی تھی اور باپ کو بکرے کی طرح کٹا ہوا دیکھ کر واویلا کر رہی تھی اُدھر صوبہ دار صاحب کی میت پر اُن کے عزیز رو پیٹ رہے تھے خاص کر اُن کے صاحبزادہ فرید خان جن کا خطاب اورنگ زیب کے عہد میں محتشم خان ٹھیرا اور وہ عالمگیر کے زمانہ میں ایک رُکن سلطنت سمجھے گئے اپنے باپ کو اس طرح رو رہے تھے کہ سننے والوں کا کلیجہ پھٹا جاتا تھا خیر ان کے تو دل کو لگی تھی مگر اس حادثہ نے سارے بردوان میں بھونچال پیدا کر دیا تھا اور ہر گھر میں سے آہ و بُکا

کی آوازیں آرہی تھیں گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد جب نواب قطب الدین خان کے پسماندوں کے ہوش حواس کسی قدر درست ہوئے تو دیوان خانہ میں بیٹھ کر انہوں نے کہا سلطانی قاضی سلطانی مفتی اور میر عدل کو اور انکے علاوہ جو جو معززا اور سردار ہیں انہیں بلا کر مشورہ کرنا چاہیئے کہ اب کیا کیا جائے۔ ان لوگوں کا پہلے سے دل صوبہ دار صاحب کے مکان پر آنیکو چاہ رہا تھا مگر وہ اپنی اپنی جان کے لئے ڈر رہے تھے ان لوگوں کے بلانے سے سمجھے کہ اب وہاں کچھ خطرہ نہیں ہے فوراً آگئے اور مشورہ شروع ہوا میر عدل نے کہا میری رائے ناقص یہ ہے۔ کہ نواب قطب الدین خان اور علی قلی خان دونوں مسلمان تھے آپس ہیں لڑے جھگڑے اور ہلاکت کو پہنچے تو اس میں ہمیں کوئی دخل نہیں تھا اس کا بدلا اُن سے خدا لیگا اور وہی خوب جانے گا کہ دونوں میں خطا وار کون تھا ہمارا آپ کا یہ فرض ہے کہ دونوں کے جنازہ کی نماز ادا کر کے انہیں سپرد خاک کریں اور اسی وقت بارگاہ سلطانی میں اس معاملہ کی

عرضی لکھ کر روانہ کریں وہاں سے جو حکم جس کے نام آئے وہ اُسکی تعمیل
کرے مفتی صاحب نے فرمایا میر عدل صاحب کی رائے بالکل صحیح
ایسا ہی ہونا چاہیئے قاضی صاحب نے فرمایا مجھے بھی میر عدل اور
مفتی صاحب کی رائے سے اتفاق ہے اُسی وقت تجہیز تکفین کا سامان
کیا گیا پہلو بہ پہلو دو قبریں تیار کی گئیں اور ایک میں شیر افگن خان کو اور
ایک میں نواب قطب الدین خان صاحب کو سُلا دیا ؎

ذرا دیکھو انجامِ کارِ بشر
کہاں سے یہ آیا کہاں رہ گیا

نواب قطب الدین خان صاحب نے اپنی زندگی میں اپنے لئے مقبرہ بدایوں
کے پاس شیخوپورہ میں بنوایا اور رہے وہ بردوان میں یہ دونوں قبریں
اب تک بردوان میں موجود ہیں اور اُن کے کتبہ سیاح کو اچھی طرح
جتا دیتے ہیں کہ ان میں سے ایک باغیرت شخص کی گور ہے جس نے
اپنے ننگ و ناموس کے لئے جان گنوا دی اور دوسرا مزار یار وفادار

اور ایک جاں نثار کا ہے جس نے آقا کے حکم کے آگے زندگی کو بے حقیقت
سمجھا اور گلا تلوار کے نیچے دھر دیا غرضیکہ قاصدِ صبا رفتار اکبر آباد لیکر چل دیا
اور جلد تر دربار شاہی میں پہنچ گیا بادشاہ سلامت نے قاصد کو سیاہ
لباس میں دیکھ کر کہا خیر ہے قاصد نے رو کر کہا صوبہ دار صاحب شیر افگن خان
کے ہات سے شہید ہوئے اور قاتل بھی اپنی سزا کو پہنچا ادھر منشی نے
خط پڑھ کر سُنایا تو دربار میں ہر طرف سناٹا چھا گیا اور بادشاہ سلامت
مارے غصہ کے کانپنے لگے چہرہ سُرخ ہو گیا حکم ہوا کہ دوسرا قاصد کمر باندھے
اور حضور والا نے اپنے ہات سے نائب صوبہ کو رقعہ لکھا کہ علی قلی نے
بھائی قطب الدین خان صاحب کو کیا قتل کیا گویا ہم پر ہات اُٹھایا
تم لوگوں نے اُس کی ہلاکت میں جلدی کی مناسب تھا کہ اُسے گردن و
گلو بستہ یہاں بھیج دیتے اور ہم اُسے اس عذاب سے قتل کرتے کہ
ماہیانِ دریا اور مُرغانِ ہوا اُسے دیکھ کر عبرت پکڑتے مگر خیر وہ اپنی
کیفرِ کردار کو پہنچ گیا تمہیں لازم ہے کہ اس حکمنامہ کے پہنچتے ہی بھائی

قطب الدین خان صاحب کے اہل و عیال کو بہت آرام اور انتظام
کے سات اکبرآباد روانہ کردو تاکہ وہ اور ہم مل کر ماتم کریں اور اُس نمکحرام
کے گھر کو لُوٹ کر تمام سامان اور اثاثہ ضبط کر کے مع اُس کی بدبخت بیوہ
مہرالنساء کو لوہے کا طوق اور زنجیر پہنا کر گنہگاروں کے طور پر نہایت
ذلّت و خواری کے سات حضور میں بھیج دو تاکہ برادرِ شہید کا اِنتقام
اُس سے بھی لیا جائے۔

گیارویں جھلک

غم کی برسات چھ برس برستی رہی آنسوؤں نے گھر بیٹھا دیا جگر کی
جلن بجلی بن کر تن بدن کو جلاتی رہی مصیبت کے بادلوں نے اگرچہ بڑا زور
کیا۔ رنج کی ہواؤں نے بہت کچھ شور کیا مگر خدا کے سوا کسی چیز کو بقا نہیں
طبیعت بدلی رُت بدلی موسم بدلا دیکھئے اکبرآباد کے قلعہ میں حرم سرائے شاہی

کے اندر حضرت عرش آشیانی کی بیگم سلیمہ سلطان مہرالنساء سے کیا
بات چیت کر رہی ہیں۔
بیگم۔ بُرا مجھے یہ گھُنّی ساونی اچھی نہیں لگتی مُنہ سے بولو سر سے کھیلو۔
مہرالنساء۔ حضور اس بندی کے کلیجہ میں غموں نے گھاؤ ڈال دیئے
ہیں اِتنی طاقت ہی نہیں کہ حضور کی بات کا جواب دُوں۔
بیگم۔ دُنیا میں تم پر نرالی مصیبت نہیں آئی پیروں پر پیغمبروں پر اماموں پر
بادشاہوں پر اور اُن کی بہو بیٹیوں پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں۔ مگر
انہوں نے اُف تک نہیں کی اور اُف کرنے سے کام کیا چلتا ہے
تم اس وقت یہ بالکل خیال نہ کرو کہ میں جن سے بات کر رہی ہوں وہ
جہانگیر بادشاہ کی ماں ہیں اور میں ایک غریب اور لاوارث رنڈیا ہوں
بلکہ تم یہ سمجھو کہ میں بیٹی ہوں اور جو مجھ سے بات کر رہی ہیں وہ میری سگی
ماں ہیں اور اپنی ممتا کے کارن مجھے اونچ نیچ سمجھا رہی ہیں اِس لئے
تم کھُلی ڈُلی ہو جاؤ اور جو کچھ جی میں ہے وہ کہہ ڈالو۔

مہرالنساء۔ حضور گستاخی معاف ہو سچّی بات نگوڑی کڑوی ہوتی ہے

بیگم۔ تم کڑوی کسیلی کا ذرا دھیان نہ کرو اور جو جی میں ہے وہ بیدھڑک کہو

مہرالنسا۔ حضور جو فرماتی ہیں کہ تو بادشاہ سلامت کے فرمانے کو نیچا نہ ڈال

حضور ہی اِنصاف فرمائیں بادشاہ سلامت نے مجھ بندی کا کیا نیوانا س

کیا ہے کن دھاڑوں کو پہنچایا ہے کیا کھو جڑا کھویا ہے میرے شیر سے

خاوند کو مروایا لاکھ کا گھر خاک میں ملایا بردوان سے مجھے گھسٹوا کر بلوایا

طوق زنجیر مجھے پہنوائے میری باپ بھائی کی عزت لی اُن کی کورنش

اور مجرے بند کر دیا سینکڑوں عورتوں کو میرے پاس پیغام سلام کے لئے

بھیجا جو آتی نئی طرح سے میرا دل دُکھاتی ایک کہتی بیوی بادشاہ سلامت

کے جی سے آپ کا خیال بالکل اُتر گیا تھا مگر اُس دن آپ کی حویلی کی

طرف سے گزرے تو سواری میں بیٹھے بیٹھے پھر آپ کا تصوّر بندھ گیا

مجھے بھیجا ہے مگر میں نے ایک کان گونگا ایک بہرا کر لیا آنے والیوں

سے کہدیتی ہاں بوا تمہارا کہنا سچ ہے وہ بندی رانڈ ہو کر بیوا ہو گئی ہے

تم جو کچھ چاہو وہ کہہ جاؤ۔ اب آپ ہی کہئے ان باتوں سے میرا ٹوٹا ہوا دل جڑ سکتا ہے مجھے بادشاہ سلامت سے کچھ فلاح ہوسکتی ہے اگر میری بوٹیاں پیسہ پر رکھ اڑائی جائیں گی تو بھی میں ہامی نہ بھروں گی۔

بیگم۔ بس کہہ چکی۔

مہرالنساء۔ جی ہاں عرض کر چکی۔

بیگم۔ مہرالنساء غم اور رنج نے تیری عقل کھو دی ہے تو دیوانی دیوانی باتیں کرتی ہے ارے باولی تو اپنی جان بھی دیدیگی تو شیر افگن خان قبر سے باہر قیامت سے پہلے نکلے گا نہیں مُردہ اور زندہ کا آپس میں کچھ واسطہ باقی ہی نہیں ہیں نے تیرے باپ میرزا غیاث اور تیرے بھائی آصف کو ڈھیوڑی پر بلا کر سمجھا دیا ہے تیری ماں سے بھی تخلیہ میں میری بات چیت ہوگئی ہے سب کے سب مجھ سے کہہ گئے ہیں آپ مالک ہیں آپ آقا ہیں ہم حضور کے فرمانے سے کسی طرح سرتابی نہیں کرسکتے ہیں مہرالنساء کے بکنے کا کچھ خیال نہ کیجئے تو اب اِس ضد اور ہٹ کو چھوڑ دے

توپیغمبروں کی بیٹیوں سے رُتبہ میں بڑھنا چاہتی ہے اُن پاک بیویوں نے
خدا رسولؐ کے حکم کے آگے سر جھکا دیا اور ایک چھوڑ دو دو تین تین بار
نکاح کئے ہُوا تُو ہندنی نہیں ہے جو دوسرے نکاح کو عیب گنتی ہے
بہن بیٹی تو ایران کی رہنے والی جہاں دن رات ان باتوں کا اوڑھنا
بچھونا ہے۔ پھر کیا سوچ ہے یہ تیرا کہنا سچ ہے بادشاہ نے تجھ پر اور
تیرے خاوند پر ظلم کئے اُس کا بدلہ تجھے عاقبت میں ملے گا خدا کے سامنے
دُودھ کا دُودھ پانی کا پانی ہو جائے گا مگر تقدیر کو ہات سے دینا بیوقوفی ہے
سلیمہ سلطان بیگم اسی طرح مہرالنساء کو بلاناغہ سمجھا رہی تھیں ارسطو کا قول ہے
گوش زدہ اثرے دارد آج بیگم کی بات کو سُنکر وہ چُپ ہوگئی اُس کے
چُپ ہوتے ہی بیگم نے شادی کی تیاری شروع کردی اُس وقت بھی لوگ
جہانگیر کی اس حرکت پر ہنستے تھے اور گلی گلی اکبرآباد میں یہ ہی تذکرہ تھا کہ
بیٹے پوتے والے دولہا میاں اور چالیس سے اوپر کی دُلہن اور وہ بھی
اولاد والی یہ کیسا بیاہ ہے یہ کیا چوچلا ہے اور اب بھی جو تاریخ کو پڑھتا ہے

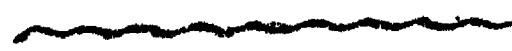
یا جو سنتا ہے وہ یہی کہتا ہے جہانگیر نے یہ کام پسندیدہ نہ کیا مگر ان حضرات کو عشق کے کوچہ کی ہوا نہیں لگی ہے نرگسِ بیمار کی بیماری میں کہیں مبتلا نہیں ہوئے ہیں ورنہ یہ اعتراض منہ سے نہ نکالتے عشق میں گورے کالے کو جوانی بڑھاپے کو کچھ دخل نہیں ہے عشق کے کام سب بے وقت ہوتے ہیں اس میں گناہ بھی ثواب ہے اس میں ثواب عذاب ہے نورالدین جہانگیر کے نکاح میں آتے ہی مہرالنساء نور محل اور نور محل سے نورجہاں بن گئیں ہندوستان کی سلطنت اُس کی مٹھی میں آگئی میرزا غیاث اُن کے والد بزرگوار جن پر مکھیاں بھنکنے لگیں تھیں اعتماد الدولہ بن گئے جن کا مقبرہ اکبرآباد میں ممتاز محل کے روضہ سے بھی انوکھا اور خوش وضع بنا ہوا ہے بیٹی بادشاہ ہوئی تو باپ وزیر بنے بھائی بادشاہ کے سمدھی کیونکہ نورجہاں بیگم جو لڑکی اپنے سات لائی تھیں وہ جہانگیر کے فرزند دلبند کے عقد نکاح میں آئیں اب نورجہاں بیگم کی پانچوں گھی میں تھیں اُن کے گھر میں دن کے وقت گھی کے جلتے تھے اس میں

کوئی شک نہیں ہے کہ نورجہاں حُسن وجمال سے زیادہ لیاقت اور عقل
میں یکتا تھی اُس نے شاہنشاہ کے دل پر اپنا سکہ بٹھالیا اور وہ سلطنت
کا انتظام کیا کہ سب نے مرحبا کہا اُس نے دربار کے ڈھنگ کو بدلا
اور اس سلیقہ سے بدلا کہ ایران تک دھوم مچ گئی اُس نے فوج کی ایسی
درستی کی کہ پُرانے پُرانے سپہ سالاروں نے اُس کا لوہا مان لیا
جب بادشاہ سلامت اُسے مالی مُلکی فوجی اِنتظام میں مشغول دیکھتے تو
خوش ہوکر فرماتے ؎

ہر دو عالم قیمتِ خود گفتۂ
نرخ بالا کُن کہ ارزانی ہنوز

جس وقت بادشاہی مجلس میں شاعر اپنی اپنی خوش بیانی اور گوہر فشانی
کا کمال دکھاتے تو پردہ کے پیچھے سے خواجہ سرائے محلی نکل کر بیگم
کی طرف سے داد دیتا اور یہ بھی کہدیتا کہ حضور عالیہ ارشاد فرماتی ہیں کہ
یہ مصرعہ تمہارا پھیکا ہے یہ آپ سے غلطی ہوگئی ہے یہ بندش سُست ہے

دارالحکومتِ سلطانی سے کوئی کاغذ نہ نکلتا جس پر بیگم کا صاد ہو ٹکسال
میں روپیہ پیسہ سے لیکر اشرفی تک نور جہاں بیگم کے نام سے زینت پاکر
نکلتی اگر کوئی حجی دار آدمی بادشاہ سلامت کے آگے اپنے معاملہ کو
پیش کر دیتا تو اُسے یہی جواب ملتا بیگم سے کہو۔ کیونکہ میں سیخ کباب اور
جامِ شراب کے بدلہ سلطنت اُنہیں دے چکا وُہی جہانگیر ہیں وُہی
زینتِ تاج و سریر ہیں جب کبھی بادشاہ سلامت شیر کے شکار کیلئے
تشریف لے جاتے تو یہ بھی عماری کے اندر برابر بیٹھتی اور بادشاہ سلامت
سے پہلے شیر کو خرگوش کی طرح تیر و تفنگ سے ہلاک کر ڈالتی۔



بارھویں جھلک

دل ہیں گھر بار کے پیکان کئے بیٹھے ہیں
مجھ پہ قبضہ مرے مہمان کئے بیٹھے ہیں

بادشاہ سلامت۔ کیوں بیگم کابل چلنے کے واسطے کیا رائے ہے؟
نور جہاں۔ حضور کابل کا چلنا سلطنت کی جڑ مضبوط کرنی ہے جس وقت حضور کابل میں رونق افروز ہوں گے تو سب دشمنوں کے مان مٹک جائیں گے ایران توران کے بادشاہ جب سنیں گے کہ تاجدار ہند کابل میں آن پہنچا تو سمجھ جائیں گے کہ یہ جو سنا کرتے تھے کہ وہ شراب اور افیون کا غلام بن گیا ہے جھوٹ ہے اور ارشنیا فرقہ کی گوشمالی بھی اچھی طرح ہو جائے گی سچ پوچھئے تو کابل آپ کے باپ دادا کا ملک موروثی ہے اس پر قبضہ رکھنا لازمی ہے اور آپ کا دل بھی بہلے گا اس کی سرسبزی شادابی خیر کشمیر کو تو نہیں پہنچتی ہے مگر پھر بھی ایک پر بہار

مقام ہے قسم قسم کے میوہ قسم قسم کے شکار پہاڑوں کی سربلند چوٹیاں برف باری کا نظارہ دل کو عجب سرور بخشے گا چلیئے اور ضرور چلیئے مگر حضور اس مہابت خان نمک حرام کا کچھ تدارک پہلے کر لیجئے ایسا نہو آپ کے پیٹھ پھرتے ہی یہ ہندوستان میں انڈا مینڈا پھرے کیونکہ

بیشہ چوں خالی شود روباہ بازی میکند

غارتی نے سرسے کنواں کھود رکھا ہے بنگالہ کے خزانہ میں لاکھوں روپیہ کی خیانت کی ہے پھر اُسے غرور اِتنا ہوگیا ہے کہ حضور کے بغیر پوچھے گچھے اپنی بیٹی برخوردار بیگ کو بیاہ دی خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے آدمی کو آدمی دیکھ ڈھنگ پکڑتا ہے اُس کی دیکھا دیکھی اور سردار امیر بھی نڈر ہو جائیں گے اور جو چاہیں گے وہ کریں گے۔

بادشاہ سلامت۔ میں نے تمہارے بے کہے مہابت خان کو بُلوایا ہے اور فرمان بہت عتاب خطاب کے سات اُس کے نام جاری کئے ہیں اور اُس کے داماد برخوردار بیگ کو بھی میں نے بلوایا ہے

کہیں باہر گیا ہے صبح شام میں حاضر ہو جائے گا مگر ہم مہابت خان کے
انتظار میں کابل جانے کے لئے تاخیر نہیں کرنے کے وہ ہم سے آ کر
رستہ میں ہی مل جائے گا اور اُسے کابل ساتھ لے چلیں گے اُسے
سزا بھی خوب ہو جائے گی اور ہمارے پیچھے اس ملک میں کوئی فتنہ
بھی برپا نہ کر سکے گا۔
بیگم۔ یہ رائے حضور کی بڑی صائب ہے بیشک اُسے ساتھ ہی
رکھئے اور آنکھوں ہی آنکھوں میں رکھ کر اُس کا کام تمام کر دیجے۔
دوسرے دن حضور والا کا پیش خیمہ اکبر آباد سے باہر نکلا اور بدنصیب برخوردار
بھی حاضر ہو گیا بادشاہ نے حکم دیا اس نامعقول کے بدن سے کپڑے
اُتار کر کانٹوں کی سنٹیاں مارو چنانچہ مجرم کو ایک جانگیہ دیکر اُس کے
سارے کپڑے اُتار لئے گئے اور سنٹی پر سنٹی اُس کے کولوں پر اور پیٹھ پر
پڑنے لگی اور اُس نئے دولہ کے تن بدن سے خون کی پھواریں اُڑنے
لگیں یہاں تک کہ پٹتے پٹتے وہ بیہوش ہو کر گر پڑا حکم ہوا کہ اس کی

ٹانگ پکڑ کر گھسیٹتے لیجاؤ اور قلعہ معلیٰ سے باہر پھینک دو اور اس کے سسرہ نے جو کچھ اپنی بیٹی کو جہیز دیا ہے وہ اس کے گھر سے ضبط کر کے لاؤ اور خزانہ شاہی میں داخل کرو۔ نور جہاں بیگم پردہ کے پیچھے سے یہ تماشے دیکھ رہی تھیں اور خوش ہو رہی تھیں کیونکہ انہیں مہابت خان اور اس کے لواحق سے سخت نفرت تھی یہ خبر ڈاک چوکی کے ذریعہ سے ملکوں ملکوں میں پہنچی مہابت خان داماد کی بے عزتی اور بیٹی کے گھر کی بربادی سُنکر ڈر کے مارے تھرّا گیا اور سب سے بڑا خوف اُسے یہ پیدا ہوا کہ حضور نے طلب کیا ہے جاؤں گا تو خدا جانے میرا کیا انجام ہوگا اور اگر نہ جاؤں گا تو بھی کم بختی ہے آخر اس کے دل نے یہی فیصلہ کیا کہ چلو مگر کچھ آدمی اپنے بھروسہ کے ساتھ لے چلو آگے تن بہ تقدیر اُس نے اُسی دن کے لئے چھ ہزار راجپوت سورما سپاہی اپنے ذاتی نوکر رکھ چھوڑے تھے انہیں لیکر وہ چلا اور لاہور کے قریب بادشاہی لشکر سے جا ملا معلوم ہوا کہ جہاں پناہ سخت ناخوش ہیں حکم ہے کہ مہابت خان

بارگاہِ سلطانی میں داخل نہ ہونے پائے اور اُس بدبخت کے لشکر کا
پڑاؤ بھی اُردوئے معلیٰ سے دُور رہا کرے کیونکہ اُس کے نالائق نوکروں
کی صورت بھی ہم دیکھنی نہیں چاہتے ہیں۔ مہابت خاں کمبخت چار و ناچار
حضور والا کے سات منزلیں طے کرتا چلا جاتا تھا اور ہر وقت لرزاں
ترساں رہتا تھا جو بادشاہ سلامت سیر و شکار سے جی بہلاتے جہلم
تک پہنچ گئے دریا زور شور سے بہ رہا تھا اور اُس کا پاٹ دُور تک
پھیلتا چلا گیا تھا میر بحری نے آ کر اطلاع کی کہ اگرچہ کشتیوں کا پل
بندھا ہوا ہے مگر بعض کشتیاں اس قدر مضبوط نہیں ہیں۔ خیر سے
سینکڑوں ہاتی گھوڑے اُتر جائیں مرمت جاری ہے تاہم دو تین
دن حضور والا اس کنارہ پر سیر و شکار میں مشغول رہیں تو مناسب ہے
بادشاہ نے فرمایا ہم تمہارے بغیر کہے ایک ہفتہ یہاں ٹھیریں گے
اور دل بہلائیں گے مہابت خان اس منزل میں بھی اپنی فوج لئے
پیچھے پڑا تھا اسی ہنسی خوشی اور عیش و سرور میں ہفتہ گزر گیا ۔ اور

ادھی بجے کے بعد سے بادشاہی سامان اور فوج جہلم کے پُل سے اُترنے لگی صبح کے وقت جہاں پناہ نے فرمایا بیگم کی سواری بھی حاضر کرو لونڈی نے کہا جناب عالیہ کے واسطے سواری تو دو بجے رات سے درِ دولت پر موجود ہے۔

بادشاہ سلامت بیگم بسم اللہ سوار ہو جاؤ جب چھیڑ ہو جائے گی اور میں دیکھوں گا کہ اب کوئی پار جانے والا نہیں رہا تو میں بہت اطمینان سے اُدھر آؤں گا آپ دریا سے اُتر کر میرا انتظار کریں۔

نور جہاں بیگم حضور اللہ بیلی میں جاتی ہوں۔

بادشاہ سلامت۔ خدا حافظ۔

جب نور جہاں کی سواری پُل سے اُتر گئی تو بادشاہی خیمہ کے اندر صرف جہاں پناہ چھپر کھٹ میں سُکھ کرتے ہوئے رہ گئے اور نوکروں میں ایک عرب ایک میر منصور بدخشی جواہر خان خواجہ سرا اور بلند خان اور خدمت پرست خان فیروز خان فصیح خان مجلسی رہ گئے۔ حضور کا

چھپر کھٹ خیمہ کے صحن میں تھا باد نسیم چل رہی تھی رام رنگی کا نشہ ابھی
کم نہ ہوا تھا جو حضور والا کے کان میں کچھ نئے آدمیوں کی آوازیں آئیں
آنکھ کھول کر دیکھا تو اپنے تئیں ننگی تلواروں کے نیچے پایا چاروں طرف
سے راجپوت گھیرے ہوئے تھے جن کے سر پر ٹیڑھی نیئیاں بندھی
ہوئی تھیں اور مہابت خان مہیب صورت بنائے تلوار کے قبضہ پر
ہات دھرے کھڑا تھا بادشاہ سلامت اپنے تکیہ کے نیچے سے تلوار
سنبھال کر اٹھ بیٹھے اور فرمایا مہابت خان یہ کیا دغا بازی ہے ؟
مہابت خان ۔حضور والا جب آدمی اپنی جان سے تنگ ہو جاتا
ہے تو پھر جان پر کھیل بھی جاتا ہے جہاں پناہ کے کان میں جو فدوی
کی طرف سے باتیں پروئی گئی ہیں سب جھوٹ تھیں مگر حضور نے اُنکی
کچھ پوچھ گچھ نہ کی میرے بیگناہ داماد کو ناحق و ناروا دشمنوں نے ذلیل
کروایا اور غلام کو درِ دولت تک آنے کی بھی مناعی کردی گئی مرتا
کیا نہ کرتا میں نے بھی یہ پہلو اختیار کیا۔ میں نے اپنے دشمنوں کیلئے

سب رستہ بند کر دیئے ہیں کئی سو راجپوت پل پر قبضہ کیے بیٹھا ہے
لشکر میں سے آدمی کیا گتّہ بھی پلٹ کر ادھر نہیں آسکتا ہے اِس
حملہ کو سُنکر بادشاہ سلامت کا نشہ ہرن ہوگیا حواس چوکڑیاں بھرنے
لگے تیموری خون نے رگوں میں جوش مارا چاہا کہ مہابت خان کی
اس بیہودہ گفتگو کا جواب زبان شمشیر سے دے مگر میر منصور بدخشی نے
ترکی زبان میں بادشاہ کو سمجھایا یہ موقع بہت نازک ہے حضور تامل
فرمائیں بادشاہ سلامت نے تین بار حملہ کا ارادہ کیا مگر میر منصور بدخشی
نے تینوں بار منع کیا اور حضور والا خون جگر کھا کر چُپ ہوگئے اِتنی دیر
میں نظر جدھر گئی سوائے راجپوتوں کی فوج کے کچھ نہ دکھائی دیا ان
ہیبت ناک راجپوتوں نے بادشاہی غسل خانہ کی تختہ قنات بھی توڑ کر
پھینک دی بادشاہ سلامت نے جامہ خانہ کے خیمہ میں جاکر لباس
شب خوابی بدلنا چاہا مگر مہابت خان نے کہا حضور اِتنی مدّت کے
بعد تو قدمبوسی حاصل ہوئی ہے ابھی کمترین کا دل کب گوارا کرے گا کہ

حضور اتنی دیر آنکھوں سے اوجھل ہوں بادشاہ نے سمجھ لیا کہ میرا کہنا
نہیں چلے گا اور تقدیر نے مجھے چنگل میں پھنسا دیا ہنس کر فرمایا - ہم
یہیں کپڑے بدلے لیتے ہیں اور چھپر کھٹ میں بیٹھے بیٹھے لباس بدل
لیا مہابت خان نے کہا غلام کی تمنّا ہے کہ حضور والا سوار ہو کر غلام
کے خیمہ گاہ تک تشریف لے چلیں وہاں بندہ زادے اور سب چھوٹے
بڑے قدمبوسی کے منتظر ہیں بادشاہ خیمہ سے باہر تشریف لائے تو دیکھا
مہابت خان کا ہاتی جس پر عماری کسی ہوئی ہے حاضر ہے چار و ناچار اُسی پر
سوار ہونا پڑا اور بادشاہ کے سات ہی سات دو راجپوت بھی عماری
کی خواص میں جا بیٹھے اور ایک راجپوت مہاوت کے پیچھے زبردستی
اٹھ کر بیٹھ گیا خدمت پرست خان خواجہ سرا جس کے پاس شراب کی مینا
اور پیالہ تھا اُس نے لپک کر ہاتی کی دم پکڑ لی اور بہت چالاکی کے
سات مع اپنے سامان کے وہ ہاتی کے اوپر پہنچا خواص میں بیٹھنے
والے دونوں راجپوتوں نے اُس کے کٹار بھی چبھوئی اُسے مجروح بھی

کر دیا اُس کے ماتھے سے خون بہنے لگا مگر وہ سواری تک پہنچ ہی گیا اور
دونوں راجپوتوں کے بیچ میں گھس کر بیٹھ گیا اور ہات بڑھا کر جامِ سرشار
بادشاہ کو دیا حضور کی سواری مہابت خان کے ڈیروں کو جا رہی تھی
جو گجہت خان بادشاہی مہاوت جہاں پناہ کی خاص سواری کی ہتنی
لیکر آن پہنچا گجہت خان کے پیچھے اُس کا جوان بیٹا بھی بیٹھا ہوا تھا۔
گجہت خان نے مہابت خان سے کہا حضور والا کی خاص سواری آگئی
ہے ہاتی کو رکواؤ تا کہ حضور اُس پر سے اِس پر تشریف لے آئیں تمہارے
ہاتی کی چال سے معلوم ہوتا ہے کہ ہال بہت ہے حضور کو تکلیف ہو گی
مہابت خان کو گجہت خان کی یہ دلیری بہت ناگوار گذری اور اُسکے
اشارہ کے سات راجپوتوں نے گجہت خان کو مع اُس کے بیٹے کے
ہتنی سے گرا کر تلواروں سے پُرزہ پُرزہ کر دیا حضور والا نے یہ تماشا
دیکھا مگر مُسکرا کر خاموش ہو گئے اور شکار کھیلتے ہوئے مہابت خان کی
خرگاہ میں پہنچے۔ ہاتی سے اترے تو اُسی وقت پالکی میں بیٹھا اپنے

سپاہیوں سے اُٹھوا خود کندھا دیتا ہوا اپنے خیمے میں لے گیا۔ خود
تین دفعہ تصدق ہوا۔ سب گھر والوں نے نذریں رکھائیں۔ ساتھ ہی
خیال آیا کہ چال چُوک گیا۔ بیگم کو ضرور لینا تھا۔ جب جہلم کے پار بادشاہی
لشکر کو حضور والا کا مہابت خان کے ہات میں قید ہونا معلوم ہوا تو
سب کے اوسان جاتے رہے اور آصف جاہ اور نور جہاں کے
پاؤں کے نیچے سے تو زمین نکل گئی سب ارکان سلطنت نور جہاں کے
حضور میں حاضر ہو کے عرض کرنے لگے حضور یہ نوشتہ تقدیر ہے
ورنہ اُس مورِ ضعیف کی یہ طاقت نہیں ہے کہ سلیمان وقت کو وہ
پکڑ لے حضور کے حکم کی دیر ہے دریا لانگھ کر اُدھر جاتے ہیں اور اُس
نا اہل کو نمک حرامی کا مزہ چکھاتے ہیں نور جہاں نے کہا اپنی غفلت کو
تقدیر کے سر تھوپتے ہو جب اُس نے پل ہی پر قبضہ کر لیا ہے۔ تو تم
اُدھر کیونکر جا سکتے ہو۔ اور اگر چلے بھی جاؤ تو تم مہابت خان کی فوج
سے ہرگز عہدہ برآ نہیں ہو سکتے ہو تمہاری اس حماقت سے خدانخواستہ

بادشاہ کو کوئی اور آزار پہنچے گا اس ہمت اور مردانگی کو اس وقت
موقوف رکھو میں خود اپنی جان پر کھیل کر جاؤں گی اور اُس نالائق کا
مقابلہ کروں گی۔ نورجہاں کا یہ خیال بالکل درست تھا جو لوگ حوصلہ
کر کے پُل تک گئے مہابت خان کی فوج سے شکست کھا کر بھاگے
اور ناکام پھرے دُوسرے دن نورجہاں کیخسرو اور گیو کی ہمت کے
سات ہاتی کی عماری میں سوار ہوئی اور اپنے دونوں پہلوؤں میں
شہریار اور شہنواز خان کی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کو بٹھایا اور خواجہ سرا
سے کہا میری طرف سے بادشاہی نوکروں سے کہدو میں اپنی جان دینے
کے لئے جاتی ہوں اگر تم میں کوئی مرد ہے تو میرے سات آئے ساری
فوج اور فوج کے افسروں نے کہا ہم سب جاں نثاری کے لئے تیار
ہیں اور سب اُس کے ہمرکاب ہوئے جب نورجہاں اس لشکر کو لیکر
دریا کے کنارہ پر پہنچی تو دیکھا دریا چڑھاؤ پر ہے اور جا بجا بھنور پڑ رہے
ہیں نورجہاں نے پردہ کے پیچھے سے مہاوت کو اشارہ کیا دیکھتا کیا ہے

ہاتی دریامیں لے چل مہاوت نے بسم اللہ کہکر ہاتی دریا میں ڈالا اور
سلطانی لشکر کے بہادر اور جی دار سردار خواجہ ابوالحسن خان سید عبدالغفور
بخاری سید مظفر معتمد خان ارادت خان نامی نامداروں نے اور انکے
پیچھے کئی ہزار سواروں نے اپنے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے مہابت خان
اس حملہ سے خبردار تھا اس لئے وہ کئی سو ہاتی اور بہادر راجپوت لئے دریا
پر ڈٹ رہا تھا اول تو دریائے جہلم ہی بادشاہی لشکر کو بہا لے گیا اور
جو کنارہ پر پہنچے اُنہیں مہابت خان کی فوج نے موت کے گھاٹ
اُتار دیا دریا اور دریا کے کنارہ پر سخت معرکہ گرم ہوا اس دار و گیر اور
کُشت و خون میں نورجہان کا فیلبان ہاتی کو دریا سے نکال کر کنارہ پر
لے آیا مگر مہابت خان نے حرم شاہی کا بھی کچھ پاس نہ کیا سینکڑوں
تیر عماری پر برسا دیئے اور ہاتی کو مارے برچھیوں کے چھید ڈالا۔ تیر خیمہ
کے اندر بادشاہ سلامت کے سامنے جا جا کر گرتے تھے۔ مگر حضور دم نہ
مار سکتے تھے۔ بیگم نے بھی بہت ترکش تیروں کے آپ خالی کیئے۔ آخر

ہزاروں آدمی ضائع ہوئے۔ لڑکیاں گود میں زخمی ہوئیں اور بیگم خود اُنکے بازو باندھتی ہوئی پار اُتر گئیں۔ ادھر مہابت خان سجدے کر کرکے بادشاہ کے تصدق ہوتا تھا مگر قید کر رکھا تھا اور جو چاہتا تھا سو کرتا تھا غرض دوسرے دن بعد قول و قسم کے بیگم کو بُلایا۔ بیگم اسی حال میں آئیں۔

جب بیگم سواری سے اُتریں تو بادشاہ سلامت نے دیکھا کہ تمام لباس خون میں افشاں ہو رہا ہے اور دونوں بیگناہ لڑکیاں چھلنی کی طرح چھد رہی ہیں بیگم نے اپنے دوپٹے کی دھجیاں پھاڑ پھاڑ بچیوں کے زخموں پر باندھ دی ہیں۔ غرضکہ اسی حال میں نورجہاں نے بادشاہ کی طرف دیکھا۔ مگر زبان سے کچھ نہ کہا۔ کیونکہ موقعہ ایسا ہی تھا۔ اس کے بعد مہابت خان نے بیگم کو الگ خیمہ میں لے جا کر قید کر دیا اور جبراً و قہراً بادشاہ سے قتل کا حکم لکھوا لیا۔ پھر خواجہ سرا کو بلایا اور بیگم کو موت کا پیغام سُنایا۔ بیگم نے جب یہ حکم سُنا تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ مگر تدبیر کے میدان میں ایک قدم نہ چوکی۔ نہایت بے پروائی سے کہا کہ خیر اگر جبر

مالک کا یہ ہی حکم ہے تو ایسا مرنا مجھے ہزار جینے سے بہتر ہے مگر ایک دفعہ اس کا آخری دیدار دکھا دو۔ مہابت خان نے بڑی تکرار سے مانا مگر اس شرط پر کہ ملاقات میرے سامنے ہو۔ چنانچہ وہ نور جہاں جس کے پردے کے سامنے سے امرا۔ وزرا۔ پنجہزاری ہفت ہزاری خلعت پہنے نظریں نیچی کئے گذر جاتے تھے آج نظر بندی کے کھپال میں بیٹھ کر آئیں میلے کچیلے کپڑے پہنے۔ چہرے پر ہوائیاں اُڑتی۔ ہاتھوں میں سونے کی ہتھکڑیاں۔ پاؤں میں بیڑیاں پہنے۔ مُنہ سے کچھ نہ بولی۔ مگر کچھ اس انداز سے آکر کھڑی ہوئی کہ مایوسی اور بے اختیاری کی تصویر سامنے کھینچ دی۔ اس کی صورت دیکھتے ہی بادشاہ کا جگر پانی پانی ہو گیا اور آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور مہابت خاں کی منّتیں کر کے جان بخشی کرائی۔

غرضکہ مہابت خان کے اقبال کے سامنے دونوں کی کچھ نہ چلی وہ نظر بندی کے حال میں بادشاہ اور بیگم کو مع سارے جاہ و حشم کے

کابل لے پہنچا اور عرصہ دراز تک وہاں ڈالے رکھا۔ مہابت خان نے خاص خاص بادشاہی سرداروں کو بھی جن سے وہ بغض رکھتا تھا۔ ہلاک کر دیا۔ مگر بادشاہ سلامت کچھ نہ کہہ سکے۔ جہانگیر اس بندی سے اِس قدر دِق آیا کہ اپنے داداجان حضرت فردوس مکانی بابر بادشاہ کے مزار پر جا کر رویا اور اُس نے اس منت کے سات اُن کے مزار پر عالی شان مقبرہ بنوایا کہ مجھے جلد تر اِس بلا سے نجات ملے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اگر نور جہاں بیگم بادشاہ کے پاس نہ پہنچتیں تو بادشاہ اس بندِ غم میں کبھی زندہ نہ رہتے جب بادشاہ کا دل گھبراتا تو بیگم کہتیں صبر کیجئے میں چپکے چپکے آپ کی رہائی کا انتظام کر رہی ہوں اور واقعی بیگم نے کیا بھی ایسا ہی۔ مہابت خان جب بادشاہ کو نظر بندی میں لیکر کابل سے پلٹا اور خاص دریائے جہلم کے کنارہ بھٹ کے مقام پر جہاں اُس نے بادشاہ سلامت کو قید کیا تھا پہنچا تو اُس نے دیکھا صبح کا وقت ہے نور الدین جہانگیر

شاہنشاہِ ہندوستان ہاتھی کے اوپر چتر لگائے رونق افروز ہے
اور اُس کے چاروں طرف فوج ظفر موج حکم کی منتظر کھڑی ہے کہ
کب اشارہ ہو اور ہم مہابت خان نمک حرام کا کام تمام کر دیں
مہابت خان نے اپنے دل سے کہا یہ کیا سامان ہے دل نے جواب
دیا اسے انقلابِ زمانہ کہتے ہیں یہ گردشِ لیل و نہار ہے کبھی سازگار
اور کبھی ناسازگار ہے رات کو چاند تاروں کی عملداری ہے دن میں
خورشیدِ جہاں تاب کی باری ہے۔ غرضکہ مہابت خان شاہجہان
کی مہم کا بہانہ کر کے کھسک گیا!

حضورِ والا جہلم سے لاہور پہنچے اور لاہور کچھ دن رہکر کشمیر تشریف
لے گئے مگر کچھ وہاں کی سردی۔ کچھ شراب کی کثرت نے پُرانے دمہ
کو جگا دیا اور پھر ہندوستان کو پھرے۔ جب مار گلے کے مقام پر پہنچے
تو شام کے قریب شکار کھیلنے بیٹھے۔ قراول اور وہاں کے پہاڑی
زمیندار ہرن وغیرہ شکاروں کو گھیر گھیر کر لاتے تھے۔ سامنے ایک پہاڑی

کی دھار تھی کہ جب ہرن اس کی چوٹی پر آتا۔ تو بادشاہ سلامت بندق مارتے تھے کہ شکار گولی کھا کر قلابازیاں کھاتا نیچے جا پڑتا۔ ایک اجل رسیدہ لڑکا ہرن کو گھیر کر سامنے لایا۔ مگر ہرن ابھی ٹھیک زد کے مقام پر نہ آیا تھا۔ یہ بچارہ خدمت کے جوش میں اور آگے بڑھا کہ اسے روک کر آگے بڑھائے۔ اتفاقاً پاؤں پھسل گیا پاس ایک چھوٹا سا درخت اگا ہوا تھا۔ سہارے کے لئے اس پر ہاتھ مارا مگر وہ بھی ٹوٹ گیا۔ اور یہ اجل کا شکار خود شکار کی طرح ہاتھ پاؤں مارتا قلابازیاں کھاتا پہاڑی کی تہ میں پہنچا کہ ہڈیاں چور چور ہو گئیں بادشاہ گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور حرم سرا میں آئے۔ اسی وقت سے طبیعت دم بدم بگڑنی شروع ہوئی۔ آخر کار ۲۸ر اکتوبر ۱۶۲۷ء کو غیمہ کے قبہ کے نیچے جان جاں آفرین کو سپرد کی لاش لاہور لا کر دریائے راوی کے کنارہ دفن کی گئی اور شاہجہاں نے اس پر عالی شان مقبرہ بنوایا۔ بیگمیں جو نور جہاں کو چھیڑا کرتی تھیں اور یہ کہا کرتی تھیں کہ رانڈ چاہیے

سو خاوند کرے مگر رانڈ ہی مرے گی وہ بات سچ ہوئی جہانگیر کے مرنے کا
اُسے بڑا صدمہ ہوا جب تک جیتی رہی سوگ میں ہی رہی چوڑی مہندی
رنگین کپڑے چھوڑ دیئے تھے اور آخر کار مر کر لاہور میں ہی دفن ہوئی۔
اُس کا اور اُس کے بھائی آصف جاہ کا مقبرہ بھی جہانگیر کے مقبرہ
سے کچھ زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے۔ فقط (ناصر مدیر)

(۲۹ رجون ۱۹۲۲ء پنجشنبہ)



ڈرامہ اکبر

عشق سے کون ہے بشر خالی　　کر دیئے اس نے گھر کے گھر خالی

ارے کوئی ہے کہ وقت کے فرشتہ کو حسن وعشق کا واسطہ دیکر پلٹا لائے۔ دن رات کے ورقوں کو واپس لوٹنے کا حکم دلوا دے۔ گذری ہوئی وارداتوں کو چلتی پھرتی تصویروں کی مانند تصور کے پردے پر تڑپا دے ورنہ غضب ہوا جاتا ہے۔ پرچہ لگا ہے۔ کہ الہ آباد کے کسی پروفیسر صاحب نے بکر ماجیت کا دل گردہ نکال کر تاریخ کو فلسفہ سے بڑھایا ہے اور دیل ڈیل کی فوجوں سے سرکار عشق پر دھاوا بول دیا ہے۔

حملہ کیا ہے۔ گویا حسن کی طلسم کاریاں عشق ومحبت کی جاں نثاریاں۔ جذبات کی ان تھک کوششیں۔ ان سب کو ظلم وستم کے بریگیڈ دستے ٹھیرا کر میدان قرطاس پر دھواں بنا کر اڑا دیا ہے۔ کیونکہ پروفیسر صاحب کا خیال ہے کہ جہانگیر اور نورجہاں کا قضیہ جس عنوان سے مشہور ہے اس کو اصل سے کچھ واسطہ نہیں۔ فقط طلسم ہوش ربا کے قصوں کی نقل ہے۔ خاصکر شیر افگن خان کا قتل تو الزام بنا کر جہانگیر کی طرف سے خاصہ وکالت کا حق ادا کیا ہے جس میں آجکل کے مقدمہ ساز فلسفہ کے ذریعے جہانگیر کو ایک حد تک بری بھی کر دیا ہے مگر افسوس اور ہزار افسوس کہ بے وقت ہے۔

خدا کرے کہ کبھی سوتے سوتے زمین کے پاٹ آسمان سے ملانیوالے فرشتے پروفیسر کو

عالمِ خواب میں جہانگیر کے سامنے پیش کر دیں اور وہ حُسن و عشق کا پتلا۔ ایک جام و ایک کباب پر بِک جانے والا سیدھا سادہ ترک خیال نشہ میں خوش مست بیٹھا ہو۔ کسی کا ہاتھ اسکی پیٹھ پر گُلِ یاسمن کی طرح دھرا ہو۔ پھر وہ پروفیسر صاحب ان کی منطق اسکے سامنے پیش ہو جائے تب دیکھیں کہ مینا بازار سے لیکر دمِ واپسیں تک کے مرقع اسکی آنکھوں میں پھر جائیں۔ اپنی کاوشیں۔ اپنے جاں نثار رفقا کی محبتیں یاد آ جائیں اور ادھر ایک بے سر و پا دفتر فقط عبارت کے زور اور دلیلوں کے شور پر پروفیسر صاحب پیش کر کے ان سب کی جانبازیاں خاک میں ملانا چاہیں تو یقین جانیے کہ ان کو وہ ہی انعام ملے جو اس درگاہ سے قاضی نور اللہ شستری کو ملا تھا کیونکہ اس سے زیادہ سرکارِ محبت میں کوئی صلہ ہی نہیں مگر اس کا اب کیا علاج کہ زمانے نے وہ ورق ہی الٹ دیا وہ بساط ہی سمیٹ لی نفسا نفسی کی گرم بازاری اس قدر عام ہوئی کہ شخصی سلطنت کا نام بھی دُنیا میں رہتا نظر نہیں آتا۔ ورنہ سب حال ایک نظر میں کُھل جاتا کہ ایک اشارۂ ابرو پر کس طرح ہزاروں سر قربان گاہِ عشق میں نذرانہ بن کر چڑھتے ہیں واقعہ کے لحاظ سے شیر افگن کا قتل کوئی نئی بات نہ تھی۔ انہیں حضرت جہانگیر کے دادا حضرت ہمایوں بادشاہ جنت آرام گاہ کے معشوق شاہ ابو المعالی نے رات کے وقت ایک بے قصور مسلمان کو قتل کیا اور صبح ہوتے ہوتے مع اس خونچکاں تلوار کے سرِ دربار آ کھڑے ہوئے اور فقط اپنی ایک مستانہ وار نگاہ کے اثر سے بےگناہ کا خون افشاں بنا کر اڑا دیا۔ اُس وقت دربار میں لوی

مجتہد۔ قاضی مفتی کیا کچھ نہ تھے۔ مگر کسی کے چھوٹے منہ سے ایک حرف بھی نہ نکلا۔ نکلتا بھی کیونکر وہاں تو وہ ہی بولتا جسے خود بھی اسی گھاٹ پار اُترنا ہوتا۔ یہ بات بھی جانے دیجئے۔ حضرت اکبر اور انارکلی کا قصہ کیا کم عبرت انگیز ہے۔ پھر اگر جہانگیر بیچارے نے اپنا کانٹا اس طرح نکال لیا تو کون غضب کیا۔

فلسفۂ تاریخ سے ہمیں کیا نسبت۔ مگر اتنا معلوم ہے کہ واقعات کو جانچنے کیلئے اُس زمانہ کے مناسب حال واقعات جن آدمیوں کے متعلق واقعہ ہو۔ ان کے طور طریقہ تاریخی قصہ کہانیاں جہاں تک اصلیت کا ساتھ دیں۔ اگر ٹھیک ٹھیک ایک جگہ جمع ہو جائیں تو کچھ نہ کچھ واقعہ اصل رنگ دکھانے لگتا ہے ورنہ اگر آج ایک شخص سیب کو سیب نہ کہے اور سب کے کہنے سے بھی نہ مانے تو اس کا کیا علاج؟

جن باتوں پر کہ عام مورخین ڈگمگا جاتے ہیں وہ فقط دو چیزیں ہیں۔ ا تو زک جہانگیر کی عبارت۔ اس پر طرہ جہانگیر کی صاف بیانی۔ اس کا جواب اتنا کافی ہے کہ یہ عبارت اس کا بیان سمجھنا چاہیئے نہ کہ فیصلہ۔ اب ہی اس کی سچائی تو قتل سے تو انکار اس غریب کو بھی نہیں۔ فقط وجہ قتل میں اختلاف ہے۔ تزک کا بیان ہے کہ شیر افگن ایک سپاہی تھا۔ ہم نے اس کو عنایات کا مورد بنایا اور مرحمت خسروانہ سے سپاہی سے سردار کر دیا۔ آخر اس کور نمک نے بغاوت کی اور کیفر کردار کو پہنچا۔

ہم نے مان لیا کہ وہ ایک سپاہی تھا۔ آپ نے اس پر عطا و بخشش کا دروازہ

کھول دیا۔ اور آخر اس نمک حرام نے بغاوت بھی کی۔ مگر وجہ تو ذرا بتائیے کہ بغاوت کیوں کی؟ کیا اس کے دل میں شہنشاہ ہندوستان ہونے کا خیال تھا کیا شیر شاہ کی طرح اس کے ہم قوم و ہم مذہب اس قدر حمیت رکھتے تھے کہ ترکوں و راجپوتوں کے مور ملخ جیسے لشکر کو دبا سکتے۔ پھر آخر اس نے آپ کے کون سے حکم کو رد کیا جو باغیوں میں شمار ہونے لگا۔

جہانگیر کی صاف بیانی سے جو شبہ اس معاملہ میں پڑ گیا ہے۔ وہ ہی اس کو پھنسا بھی سکتا ہے۔ کیونکہ سچائی کا شبہ ہی جھوٹ کا پردہ پوش ہوا کرتا ہے ورنہ جھوٹے آدمی کو اس شبہ کا فایدہ نہیں پہنچا کرتا۔ مگر ان سب باتوں کے علاوہ جو وجہ اس وقت ہمارے سامنے ہے وہ ایشیائی غیرت کے منافی ہے کہ وہ صاف لکھ دیتا کہ میرا معشوق اس کی بغل میں تھا اور میرے بار بار اصرار پر بھی وہ نہ چھوڑتا تھا۔ بس اسی لئے وہ سب باتیں چبا کر فقط بغاوت کے لفظ پر ہی عبارت ختم کر دیتا ہے۔

اب ذرا بغاوت پر غور کیجے۔ بغاوت کیوں کی۔ کہاں کی۔ کیا کیا سامانِ بغاوت فراہم کیئے۔ کس کس پرگنہ سرکاری پر قبضہ مخالفانہ کیا۔ آخر کس مقام پر لشکر کشی ہوئی کہاں جنگ ہوئی۔ مگر افسوس یہ کچھ بھی نہیں فقط قطب الدین کو کہ نے بانی باتوں میں تلوار چلی اور دونوں ڈھیر ہو گئے۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ جہانگیر وجہ بغاوت نہیں بتا سکا۔ نہ وہ ملکی باغی تھا۔ البتہ نقد حسن کا ڈاکو ضرور تھا جسکی اسکو سزا بھی مل گئی۔

اب دوسری وجہ مغالطہ میں ڈالنے والی یہ ہے کہ عام طور پر اُس زمانے کے مورخین کچھ نہیں لکھتے۔ نہ لکھنا چاہیئے تھا۔ آخر کس کی شامت نے دھکا دیا تھا کہ اپنے آپ کو تلوار کی دھار اور ہاتھی کے پاؤں کا شکار بناتا۔ صاحب وہ تو شخصی حکومت تھی۔ آج کی بات سُنیئے کہ اس قدر آزادی کی ہوا چل رہی ہے مگر دیسی ریاستوں کو دیکھیئے اگرچہ ہر طرح سے برٹش گورمنٹ کی سیاست میں جکڑی پڑی ہیں۔ مگر پھر بھی یہ قانون پیش کر ہی دیا کہ پریس ایکٹ کی آزادی میں یہ ترمیم ضرور ہو جائے کہ ہمارے خلاف کوئی شخص کچھ لکھ نہ سکے۔ حالانکہ شخصی حکومت کی ہوا بھی نہیں لگی۔ قابلِ غور یہ امر ہے کہ جب انگریزی علاقہ والوں کی زبان تو اس طرح بند کر لی۔ اب ان کی اپنی رعایا میں کس کا دماغ پھرا ہے جو ان کے خلاف ایک حرف بھی لکھ سکے۔ ورنہ کھولو بچہ تیار ہے۔ ان سب باتوں کو اگر ایک جگہ جمع کر لیا جائے تو سب حال کھل جاتا ہے اور مورخین پر سے بھی الزام دُور ہو جاتا ہے۔

اب ذرا تصویر کا دُوسرا رُخ ملاحظہ فرمائیے۔ مہرالنسا کون ہے؟ ایک باغی سپاہی کی بیوی۔ غیر مذہب۔ ایرانی النسل۔ نووارد۔ تیس سال سے اُوپچی۔ بچوں والی۔ پھر آخر اس میں کون سے پھول لگے تھے کہ شہنشاہ حضور کو اس کے بن چین ہی نہ پڑتا تھا۔ باغی کے بیوی بچوں کو تہِ تیغ کیا ہوتا۔ گھر بار کی اینٹ سے اینٹ بجوادی ہوتی۔ اگر طبیعت ایسی ہی رحیم و کریم تھی تو بھول گئے ہوتے

بھلا دو تین سال تک کانٹوں پر کیوں لوٹتے پھرے۔ آخر بازی جیتی اور جیتی۔
زور کہو ظلم سمجھو۔ منت سماجت کے سر سہرا باندھو۔ مگر بیٹے پوتوں والے شہنشاہ
کو بھی صبر آیا کہ اس پھول کو زیب دامن کر ہی لیا۔

پڑھے لکھے آدمیوں میں سے بعض یہ بھی اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ نورجہاں
شیر افگن خان سے بہت زیادہ محبت رکھتی تھی۔ جس کی وجہ سے اس نے بار بار
شادی سے انکار بھی کیا۔ مگر پھر تھوڑے ہی عرصہ بعد بالکل کایا پلٹ کیوں ہو گئی
نکاح کیا کیا کہ دل سے دِلّی کی مالک ہی بن بیٹھی۔

یہ اعتراض بھی بھولے بادشاہ ہی اُٹھاتے ہیں۔ سمجھدار آدمی سمجھ سکتا ہے
کہ فطرت کا تقاضہ غم اور غصہ ہے۔ جس کا اظہار نورجہاں نے اِس طرح کیا جو
اس کا حق تھا۔ مگر مجبوری اور وقت کا گذر جانا بھی تو کوئی اثر رکھتا ہے۔ اس پہ
غضب یہ کہ خود مختار بادشاہ۔ اوپر خدا دُور۔ نیچے شہنشاہ نزدیک۔ جس نے
لاکھوں جیسی جان کو فقط اپنی خوشی کے لئے خاک میں ملا دیا۔ وہ اس پری پیکر
سے نا اُمید ہو کر اس کو دیو مرگ کے سپرد کیوں نہ کر دیتا۔ اس کو اور اس کے
گھر والوں کو تھوتھے تیروں نہ اُڑوا دیتا۔ اور بھی جو جو کچھ کرتا تعجب نہ تھا۔ غرضکہ
یہ مجبوریاں تھیں کہ اس کو اپنے خاوند کے قاتل سے نکاح کرنے پر آمادہ کرتی
تھیں۔ ورنہ وہ ستی تو ہونے سے رہی تھی۔

آخر مسلمان تھی۔ نکاح ہوا بیوی بن گئی۔ پردہ اُٹھ گیا۔ شخصی حکومتوں میں
ہر شخص ترقی اور عزت کا خواہاں ہوا ہی کرتا ہے۔ اب اس کی عقلمندی اور تجربہ کاری
تھی کہ اس رشتہ سے محلوں کی کارگذاریوں سے گذر کر درباروں میں شریک
ہوگئی۔ اور وہ رتبہ پایا کہ کسی مغل بیگم پر اس کے آنچل کا سایہ تک نہیں پڑا۔ اپنی
عزت و حکومت کے علاوہ اپنے گھر والوں کو خانخاناں کی کرسی پر بٹھا دیا۔ اپنے
ہم مذہب۔ اہلِ ولایت۔ شاعر۔ مولوی مجتہد غرضکہ ایک انبوہ تھا جو نورجہاں
کے پردے میں پل رہا تھا۔ اور جو ایجاد و اختراع اس نے حکومت کے ذریعہ
کئے ہیں تمدن کے زرّیں صفحوں پہ قیامت تک چمکیں گے۔ یہ تمام باتیں تو اسکی
قدر و منزلت۔ موقع شناسی پر دال ہیں نہ کہ خداوند کا خوں بہا ہوسکتی ہیں۔

ان تمام باتوں کو جانے دیجئے۔ یہ واقعہ ہے کَے دن کا۔ ابھی تو ہندوستان
میں سینکڑوں خاندان اور گھرانے موجود ہیں۔ جن کے بزرگ مغل بادشاہوں کی
آنکھ کی پتلی تھے۔ رازداں تھے۔ ہر کھلی اور ڈھکی بات سے واقف تھے۔ انکے
گھروں میں سینہ بہ سینہ قصے کہانیوں کی طرح یہ اور اس قسم کے بیسیوں محلات کے
واقعات چلے آتے ہیں۔ ان پر پانی کیسے پھر سکتا ہے۔ بردوان میں دونوں
نامرادوں کی قبریں عبرت کی تصویر بنی ہوئی موجود ہیں۔ قطب الدین خان کے
خاندان والے زندہ ہیں۔ بس آخر یہی کہنا پڑتا ہے کہ تاریخ میں وضاحت کے ساتھ

نہ ہونا شخصی حکومت کی ہیبت اور تسلط پر ہی مبنی ہے۔

ناظرین حیران ہونگے کہ اس قدر تمہید کس عنوان کے لئے اُٹھائی گئی۔ یہ سمع خراشی آخر کیوں کی گئی تو حضرت اس میں میرا قصور فقط اتنا ہے کہ گذشتہ سال مولینا کا نامکمل ڈرامہ لیا۔ اتفاقاً آئندہ کا پلاٹ بھی نکل آیا۔ سیّد ناصر نذیر صاحب فراؔق نے احسان فرما کر اپنے اُستاد کے تبرک کو اور متبرّک بنا دیا۔ مگر اس عرصہ میں مجھے بہت سے ایم۔ اے۔ بی۔ اے تاریخ دان مسلمانوں کے مایۂ ناز نوجوان احباب سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ جن سے ڈرامہ کا بھی ذکر آیا۔ تو ہر شخص نے مخالفت کی کہ نہ اس کو مکمل کراؤ نہ اس کو چھپواؤ۔ وجہ پوچھی تو فقط اس قدر کہ اس میں مسلمان بادشاہوں کی بے عزتی ہے۔ ان پر بڑا بھاری الزام لگتا ہے جو اُتارے نہیں اُترتا جس سے ہم مسلمانوں کی عزت خاک میں مل جاتی ہے۔ خیر اس قسم کی بہت سی بحثیں ہوئیں۔ میں چونکہ ارادہ کر چکا تھا۔ ڈرامہ چھپوا ہی دیا اب نہایت مودبانہ طریقہ سے عرض پرداز ہوں کہ واقعۂ قتل کے متعلق جہانتک میری عقل نے واقعات کا ساتھ دیا ہے۔ اوپر عرض کر چکا ہوں۔ اب مسلمان بادشاہوں کی عزت کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

شکر کی جگہ ہے کہ مولینا شبلی کی رُوح کے صدقہ سے میں مسلمان بادشاہوں کو بُرا نہیں کہتا۔ کیونکہ ان کے عہد میں ہمارے بزرگوں نے جس شان کے لُطف

اُٹھائے اور حکومت کے مزے لوٹتے ہیں۔ وہ اب میسر نہیں آئیں گے مگر اسکے
یہ معنی نہیں ہیں کہ ہمارے مسلمان بادشاہ ہندوستان میں فرشتہ بن کر آئے تھے
اگر ایسا ہوتا تو حکومت ہی کیوں جاتی۔ نہ ان کا ہر فعل ہمارے لئے قابلِ تقلید ہے
بلکہ جو کام انہوں نے اچھے کئے وہ حقیقتاً اُس تاریکی کے زمانہ میں ایک نور تھے
اور جو بُرے کئے وہ تقاضہ بشریت اور صلاح کاروں کی غلطیاں تھیں۔۔ جو
ضرورت وقت کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ ہم سے ان کے اعمال کی بابت
نہ یہاں پوچھ ہے نہ آئندہ ہوگی۔ کیونکہ یہ مسئلہ صاف ہے کہ ؎

اپنی نبیڑو اپنی کرنی کو پاؤ گے تم
انکے کئے کی بابت پوچھے نہ جاؤ گے تم

ان کا معیارِ سلطنت فاتحانہ تھا۔ اس ملک کو قوتِ بازو سے لیا تھا تجار
یا پادری بن کر نہ دھس آئے تھے جو کسی سے دب کے چلتے۔ بس تو حق اور
ناحق کا فیصلہ ان کی مرضی تھی۔ جو اُن کی رضا وہ حق اور جو خلاف وہ باغی
قابلِ گردن زدنی۔ خاصکر ترک بادشاہ تو پہلے ترک تھے۔ پھر مسلمان تھے۔
جہاں جاتے تھے طورہ چنگیزی ہی کو اپنا وطیرہ بناتے تھے۔ جمہور کے کوندی سونٹے
اُٹھائے نہ پھرتے تھے۔ پھر اگر جہانگیر نے عشق کا اندھا تیر کھایا اور ایک
معمولی سے آدمی کو قتل کرا دیا تو کیا ہوا معلوم نہیں اس پر مسلمان اس قدر تر بھر

کیوں ہوتے ہیں۔ وہاں تو رات دن مست ہاتھی اسی لئے کھڑے رہتے تھے
کہ جلدی کوئی آئے تو پیر کے نیچے کچل دیں۔ اس قصہ کا تاریخ اسلام پر کوئی
اثر نہیں پڑتا۔ البتہ ایک عبرت ناک سبق ہے کہ اتفاق زمانہ ہے کہ گریٹ مغل
بھی عشق کی افسوں کاری سے نہ بچ سکا۔ اور عشق مجازی کے پھندے میں
اس طرح پھنسا کہ مرتے دم تک اس گرہ کو نہ کھول سکا اور اسی کے زانوؤں پر
سر رکھ کر اس دارِ فانی سے عالمِ جاودانی کو چلا گیا۔

آخر میں دعا مانگتا ہوں کہ اے عشق و محبت کو پیدا کرنے والے خدا تو ہر
نیک اور بد کا جانچنے اور پرکھنے والا ہے۔ تو اپنی بخشش کے طفیل جہانگیر نورجہاں
اور شیر افگن پر رحم کر اور ان کو ان کے مناسبِ حال عالمِ بقا میں جگہ عنایت فرما
اور ہم زندہ مسلمانوں کو اس بلائے بے درماں کی دشواریوں سے بچ بچ کر گذرنے کی
توفیق عنایت فرما۔ آمین ٭

دعا کا محتاج

طاہر بشیر آزاد

۲۷ نومبر ۱۹۲۲ء